# نگارشات

اداریہ

## پیکر عظیمت و استقامت

# حضرت مولانا احمد رضا مصباحی علیہ الرحمہ

## اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

**مبارک حسین مصباحی**

ہم نے سمنان شریف اور بغداد مقدس وغیرہ سے فیوض و برکات حاصل کیے، ۲؍رجب المرجب ۱۴۴۱ھ مطابق ۲۷؍فروری ۲۰۲۰ء بروز جمعرات قبلِ مغرب اپنی قیام گاہ مبارک پور پہنچے، بڑے اور بچے سب خوشیوں میں مگن تھے، اتنے میں برادرِ گرامی نبیرۂ حضور حافظ ملت ڈاکٹر محمد فہیم عزیزی زید مجدہ کی کال آگئی، حسبِ عادت دریافت کیا کہ آپ بخیر و عافیت آگئے؟ ہم نے عرض کیا، جی ہاں میں آگیا، آپ بھی تشریف لے آئیے، کچھ ہی دیر میں وہ جلوہ گر ہو گئے، معانقہ اور مصافحہ کر کے خیریت معلوم کی، قدرے توقف کے بعد ارشاد فرمایا: آپ کو جامعہ اشرفیہ کی کچھ خبر ہے؟ ہم نے انکار میں سر ہلا دیا، تو انھوں نے فرمایا: جامعہ اشرفیہ کے قدیم معتمد بڑے بابو حضرت مولانا احمد رضا مصباحی اب علیہ الرحمہ ہو گئے، ہم نے انتہائی افسردگی کے ساتھ اِدھر اُدھر دیکھا تو اہلِ خانہ اور بچوں نے اس حادثۂ جاں کاہ کی تائید فرمائی، ہم نے انتہائی غم کے ساتھ "إنا لله و إنا إليه راجعون" پڑھا اور پھر ساری خوشیاں چھوڑ کر ہم مصروف ہو گئے آپ علیہ الرحمہ کی مرثیہ خوانی میں، ہم نے کہا کہ ۲۱؍فروری کو بعد نمازِ فجر ہمیں بنارس ایئرپورٹ کے لیے نکلنا تھا اور ۲۰؍فروری ۲۰۲۰ء کو ہم ان کے روبرو کافی دیر تک بیٹھے تھے، خوشگوار ماحول میں گفتگو ہوئی تھی، حضرت نے ہم سے سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر بزرگوں کی بارگاہوں میں سلامِ عقیدت پیش فرمایا تھا اور دعاؤں کے لیے ارشاد فرمایا تھا، ہم نے ان کے حکم کے مطابق سب کچھ کیا تھا، مگر ایسا سوچا بھی نہیں تھا کہ اب ان سے ہماری یہ آخری ملاقات ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور بزرگوں کے فیوض و برکات سے سرفراز فرمائے آمین۔

ڈاکٹر محمد فہیم عزیزی نے فرمایا کہ حضرت بخیر و عافیت تھے، کوئی بھی تشویش ناک خبر نہیں تھی، ہلکی سی طبیعت بوجھل ہوئی، ان کے فرزندار جمند ڈاکٹر احمد کلیم نے کچھ دوا دی اور دریافت کیا کہ اگر طبیعت غیر مناسب ہو تو اعظم گڑھ لے چلیں؟ حضرت نے جواب عنایت فرمایا، طبیعت نارمل ہے اگر ضرورت ہوئی تو کل اعظم گڑھ چلیں گے، ان کے پاس محترم المقام ماسٹر احمد ندیم تھے کہ لگ بھگ ایک بج کر ۵؍منٹ پر اچانک حرکت قلب بند ہو گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ حادثۂ فاجعہ پیش آ گیا، مسکراتی زندگی چند لمحوں میں موت کی آغوش میں چلی گئی، خبر ملتے ہی ہر طرف غم و اندوہ کی فضا چھا گئی، بالکل متّصل استاذ القرا حضرت مولانا قاری محمد یحییٰ علیہ الرحمۃ والرضوان کے فرزندگان کے مکانات ہیں، یہ سب بھی ان کے انتہائی قریب ترین رشتہ دار ہیں، ان کو بھی اس الم ناک خبر کا ملنا یقینی تھا، وہ سب بھی آ گئے، غم و اندوہ میں ڈوب کر ہر ایک اپنی جگہ بے حال تھا۔ آپ علیہ الرحمہ کے ایک فرزندار جمند جناب محمد مونس رضا ریاض سعودی عرب کے ایک ہاسپٹل میں فارماسسٹ ہیں، ان کو بروقت اس حادثۂ جاں کاہ کی خبر دے دی گئی، مگر دوسرے ہی دن ان کا آنا بہت مشکل تھا اس لیے بہ اتفاق رائے یہ طے پایا کہ بعد نمازِ جمعہ نمازِ جنازہ ادا کی جائے تاکہ ان کی شرکت بھی یقینی ہو جائے، نمازِ جمعہ میں نمازیوں کی تعداد بھی کثیر ہوتی ہے، حدیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے "یوم الجمعة یوم عید" جمعہ کا دن عید کا دن ہے اور یومِ جمعہ میں تدفین کی بھی گراں قدر فضیلت وارد ہوئی ہے۔

ہمارے بزرگ حضرت مولانا احمد رضا مصباحی علیہ الرحمۃ والرضوان علم و فضل اور اخلاق و کردار کی ادائیگی میں بلاشبہہ اپنی مثال آپ تھے، اہلِ خانہ اور اعزہ و اقارب سب حد درجہ غم زدہ تھے، اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل سب کو صبر و شکر کی توفیق خیر عطا فرمائے اور حضرت کی بے حساب مغفرت فرمائے۔ آمین۔

۲۸؍فروری ۲۰۲۰ء کو قریب ۱۰؍بجے ہم ان کی قیام گاہ پر حاضر ہوئے، ہر چہرہ پژمردہ نظر آیا، فرزندان اور دیگر اعزہ و اقارب بھی ناقابلِ برداشت غم و اندوہ میں ڈوبے ہوئے تھے، اب ان کے غسل کرانے کا عمل شروع ہوا، محترم حسین احمد صاحب، حضرت قاری ابرار احمد مصباحی، عالی جناب محمد مجاہد، جناب ماسٹر اسامہ ظفر اور آپ علیہ الرحمہ کے صاحب زادگان وغیرہ حضرات پوری توجہ کے ساتھ غسل کرانے میں مصروف تھے، ہم بھی قریب ہی میں کھڑے درود شریف پڑھنے کا شرف حاصل کر رہے تھے، وضو کرانے کے لیے ہم سے کہا گیا، ہم نے اپنے بزرگ کی یہ آخری خدمت پورے اخلاص و

للّٰہیت کے ساتھ ادا کی، جب کہ حضرت مولانا نعیم اختر مصباحی دام ظلہ العالی نے بھی غسل شریف کرانے میں اپنی بنیادی ذمہ داریوں کو پورا فرمایا۔

راجہ مبارک شاہ جامع مسجد کے باہر حضرت کا جنازہ لے جایا گیا، نمازِ جمعہ کے بعد ہزاروں مصلیان نمازِ جنازہ کے لیے وسیع میدان میں جمع ہو گئے، دیگر مساجد اور عزیز المساجد جامعہ اشرفیہ سے بڑی تعداد میں علما، طلبہ اور عوام تشریف لے آئے، بحمد اللہ تعالیٰ ان کے فرزندِ ارجمند بھی ریاض سے تشریف لے آئے اور اہلِ تعلق نے اطمینان کا سانس لیا۔ صفیں لگیں، امام جمعہ حضرت مولانا قاری محمد نعیم اختر خطیب وامام جامع مسجد راجہ مبارک شاہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور سب نے حضرت کے لیے دعاے مغفرت فرمائی، بصد حسرت وغم جنازہ اٹھایا گیا، آپ کی تدفین نوغازی پیر بابا قبرستان میں ہونا تھی۔ جو قدرے دوری پر ہے، اب جنازہ آپ کے خسر محترم استاذ القراء حضرت مولانا قاری محمد یحییٰ علیہ الرحمہ والرضوان سابق ناظمِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے مزار شریف کے پہلو میں رکھا گیا۔ غم واندوہ کے ساتھ اسی مقام پر تدفین عمل میں آئی، اس قبرستان کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں نوشہداے کرام [نوغازی پیر بابا] کے مزارات مقدسہ ہیں، اس میں نائبِ حضور حافظِ ملت حضرت علامہ حافظ عبد الرؤف بلیاوی مرتب فتاویٰ رضویہ [حافظ جی] نور اللہ مرقدہ کا مزار اقدس بھی قریب ہی میں ہے۔ دیگر اہم شخصیات کے مقدس مزارات بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام بزرگانِ دین کی صحبت میں حضرت علیہ الرحمہ کو بھی جنت الفردوس میں بلند ترین مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

## خاندانی احوال:

آپ کا آبائی وطن موضع نراؤں، پوسٹ چل کہر ضلع بلیا (یوپی) ہے، گاؤں کے اکثر حضرات لیبر کلاس کے تھے، آپ کا خاندان کسی حد تک تعلیم یافتہ تھا، آپ کے داداجان جناب محمد شریف گاؤں میں مقیم تھے، انتہائی نیک مردِ درویش اور صالح تھے، پورا علاقہ ان کا احترام کرتا تھا، مسلمانوں کی طرح ہندو بھی ان کے شیدائی تھے۔ محترم داداجان کو سب ”شریفاً میاں“ کے نام سے پکارتے تھے، انھیں ابو العباس حضرت خضر علیہ السلام سے شرفِ نیاز حاصل تھا، درود شریف کے عامل کامل تھے، وہ راکھ پڑھ کر دیتے تھے اور علاقے کے مریض اس سے شفایاب ہوتے تھے، آبادی کے اصرار پر آپ نے اپنے گاؤں نراؤں کی مسجد میں امامت وخطابت کے فرائض انجام دینے شروع فرمادیے تھے، آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سارے مسلمانوں کے لیے دعائیں فرماتے تھے اور خاص طور پر اپنی اولاد کے لیے دعا کرتے تھے، اے اللہ تعالیٰ! ہماری زندگی تو ایک عام انسان کی حیثیت سے گزری، مگر ہماری اولاد کو تو خوب تعلیم یافتہ اور کامیاب بنانا، پوتے تعلیم حاصل کرتے رہے اور آپ اپنے مالکِ حقیقی کی بارگاہ میں ہمیشہ کے لیے پیارے ہو گئے، موصوف علیہ الرحمہ کے صرف ایک برادر صغیر جناب ولی محمد مرحوم تھے، انھیں سب ”چھوٹے دادا“ کہتے تھے، ماشاء اللہ! وہ بھی نیک اور صالح تھے، اپنے اور اپنے برادرِ گرامی کے فرزندوں سے خوب محبت فرماتے تھے، جب آپ کے برادرِ کبیر کا وصال پر ملال ہو گیا، لوگوں کو بڑا رنج وغم ہوا، پھر گاؤں والوں نے مسجد میں امامت وخطابت کے فرائض انجام دینے کے لیے آپ کو منتخب کیا، علاقے کا سارا نظام حسب سابق جاری رہا۔ آپ کے فرزند ارجمند جناب مولانا محمد حبیب اللہ متعلّم دار العلوم اشرفیہ مبارک پور تھے، محنتی اور جفاکش تھے، مگر افسوس تین برس تعلیم حاصل کرنے کے بعد دورانِ تعلیم مبارک پور میں ہی وصال فرما گئے، ان کی تدفین بنرہی باغ قبرستان میں ہوئی، وہ صالح طالب علم تھے، اللہ تعالیٰ ان کی بھی خوب خوب مغفرت فرمائے، آمین۔

حضرت مولانا احمد رضا مصباحی علیہ الرحمہ کے والد گرامی عالی جناب ماسٹر محمد حنیف قادری مرحوم بھی نیک سیرت اور باوقار تھے، آپ نے اپنے علاقے کے اسکول میں ورنکولر [چوتھا کلاس] پاس کیا تھا، ناظرہ اور ابتدائی تعلیم اپنے گھر پر ہی حاصل فرمائی تھی، آپ شب پور ہاوڑہ کی جوٹ مل میں ملازم تھے، مزید دینی تعلیم حضرت علامہ حافظ عبد الرؤف بلیاوی علیہ الرحمہ کے برادرِ گرامی حضرت مولانا امین الدین علیہ الرحمہ سے ہاوڑہ میں حاصل فرمائی، ریٹائر ہونے کے بعد آپ مدرسہ امدادیہ مڈھا ضلع بلیا میں استاذ ہو گئے تھے، تدریس کے دوران تاعمر آپ نے اپنے گاؤں کی مسجد میں نماز جمعہ پڑھائی، آپ کی دین داری اور پرہیزگاری کے خوب چرچے تھے، آپ کو لوگ بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، آپ کی اہلیہ محترمہ مریم صاحبہ بڑی نیک سیرت اور پابند صوم وصلاۃ تھیں، اپنے بچوں کی تعلیم کے تعلق سے فرماتی تھیں: ہم فاقے سے رہ جائیں گے مگر بچوں کی تعلیم وتربیت متاثر ہو یہ ہم سے نہیں دیکھا جائے گا۔ آپ کے بڑے بھائی جناب عبد الرشید مرحوم تھے، وہ بھی محنتی، جفاکش اور مردِ صالح تھے۔ عالی جناب ماسٹر محمد حنیف قادری علیہ الرحمہ کی دو صاحب زادیاں اور پانچ صاحب زادگان ہیں، فرزندان کی تعلیمی لیاقت اور کارگزاری حسب ذیل ہے۔

(۱)- حضرت مولانا الحاج احمد رضا مصباحی علیہ الرحمہ۔

(۲)- جناب الحاج ضیاء الحسن بی. ایس. سی. علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ یہ ریلوے میں گارڈ تھے، دسمبر ۲۰۱۱ء میں ریٹائر ہو گئے۔

(۳)-جناب الحاج ظہیر الحسن، فارماسسٹ، الہ آباد میڈیکل کالج، میڈیکل کالج علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں فارماسسٹ رہے اور اب ریٹائر ہو گئے۔
(۴) جناب الحاج شبیر احمد، ڈپلوما انجینئرنگ، الہ آباد پالی ٹیکنک کالج۔ کولڈ اسٹور میں فور مین ہو کر ریٹائر ہوئے۔
(۵)-ڈاکٹر جمیل احمد یونانی میڈیکل کالج الہ آباد سے بی یو ایم ایس کیا، گورنمنٹ ہاسپیٹل میں سروس کیا۔ ۲۰۱۹ء میں ریٹائر ہوئے۔
ماشاءاللہ! حضرت کے سارے بھائیوں سے ہماری ملاقات ہے، سب تعلیم یافتہ اور بلند اخلاق ہیں، اللہ تعالیٰ سب کو اجر جزیل اور صبرِ جمیل عطا فرمائے، آمین۔

## ولادت اور تعلیم و تربیت:

حضرت مولانا احمد رضا مصباحی کی ولادت باسعادت ۱۹؍ شعبان المعظم ۱۳۶۳ھ مطابق ستمبر ۱۹۴۲ء [۷ ۱۹۴ء سندوں کے مطابق] بروز ہفتہ بوقت ۱۲؍ بجے شب موضع نراؤں ضلع بلیا میں ہوئی، ناظرۂ قرآن عظیم اور ابتدائی تعلیم اپنے گھر پر اپنے والد ماجد وغیرہ سے حاصل فرمائی، ۱۹۵۲ء میں اپنے گاؤں کے اسکول میں داخل ہوئے، ۱۹۵۷ء میں درجۂ پنجم پاس کیا۔ اس کے بعد اپنے موضع سے قریب ۴؍ کلومیٹر دور مڈل اسکول موضع گڑوار ضلع بلیا میں ۱۹۵۲ء داخل ہوئے، آپ کی آمد و رفت اسکول پیدل ہوتی تھی، وہاں آپ نے اپریل ۱۹۶۰ء میں مڈل پاس کیا، چھوٹے دادا جناب ولی محمد مرحوم اور آپ کے والد گرامی کی شدید خواہش تھی کہ آپ کو دار العلوم اشرفیہ مبارک پور میں داخل کیا جائے، استاذ القراء حضرت مولانا قاری محمد یحییٰ علیہ الرحمہ سے بڑی حد تک روابط خوشگوار تھے، آپ اپنے چھوٹے دادا جناب ولی محمد مرحوم کے ساتھ مبارک پور تشریف لائے اور ۴؍ ذی قعدہ ۱۳۹۷ھ مطابق ۲؍ مئی ۱۹۶۰ء میں جماعت اعدادیہ میں داخلہ ہو گیا۔

ہم اداریہ لکھ چکے تھے کہ حضرت کے صاحب زادے ڈاکٹر احمد کلیم نے موبائل سے رابطہ کیا اور فرمایا کہ اداریہ ابھی ہے یا پریس چلا گیا، ہم نے کہا کہ ابھی ہے تو وہ اسی وقت تشریف لائے اور انھوں نے کہا کہ ابا حضور کی ایک تحریر مل گئی ہے اس سے کچھ نئی چیزیں مل جائیں گی، ہم نے تحریر پڑھی چند جگہوں پر اصلاح کی اور کچھ نئی باتیں معلوم ہوئیں، ہم ان کے قلم کی تحریر ذیل میں من و عن پیش کرتے ہیں:

**”یکم نومبر ۱۹۴۷ء کو [باعتبار اسناد] موضع نراؤں ضلع بلیا میں پیدا ہوا، ۱۹۵۲ء کو اسکول میں داخلہ ہوا، ۱۹۵۷ء میں درجہ پنجم موضع ہی میں پاس کر کے جونیئر ہائی اسکول گڑوار ضلع بلیا میں داخلہ لیا، وہاں سے اپریل ۱۹۶۰ء میں مڈل اسکول پاس کر کے اسی سال مئی میں دار العلوم اشرفیہ مبارک پور میں داخلہ لیا، دو سال میں فارسی کی تعلیم مکمل کر کے درجات عربی کے ابتدائی کلاس کی پہلی کتاب ”میزان“ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ سے پڑھی، یہاں تک کہ میزان کے بعد نحو میر، ہدایۃ النحو، شرح مائۃ عامل، قافیہ تک کی کتابیں حضرت ہی کے پاس رہیں۔**

**۱۹۶۷ء میں دار العلوم اشرفیہ سے فراغت ہوئی، فراغت کے بعد ۱۹۶۸ء میں دار العلوم اشرفیہ میں بحیثیت معین المدرس پڑھایا، اسی سال رجب میں شادی ہوئی، شوال میں ۱۹۶۹ء پورے سال ادری مدرسہ ضیاء الاسلام میں درس دیا۔ ۱۹۷۰ء کے اوائل میں پانچ چھ ماہ علاقائی مکتبوں میں پڑھاتا رہا، پھر مئی ۱۹۷۰ء میں حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے حکم پر دار العلوم اشرفیہ حاضر ہوا (باضابطہ تقرری ۱۶؍ جنوری ۱۹۷۱ء میں ہوئی) ابتداءً حضرت کے حکم پر دو کتابیں پڑھاتا رہا اور دفتری کاموں کو بحسن و خوبی انجام دیتا رہا، یہ سلسلہ تقریباً ۱۹۸۳ء و ۱۹۸۴ء تک رہا، بعد میں انتظامیہ کی فرمائش پر تعلیم کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ۱۹۷۴ء سے بحیثیت کیشیر واکاؤنٹنٹ خدمت پر مامور ہوا، تا ایں دم یہ ذمہ داری نبھا رہا ہوں۔ حالاں کہ اس ذمہ داری کو شروع میں قبول نہ کیا، مگر حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے حکم پر یہ ذمہ داری قبول کرنی پڑی۔ حضرت بے پناہ محبت فرماتے تھے، ۱۵؍ ۲۰؍ روز ہو جاتے تو بلا کر خیریت معلوم کرتے اور بہت بہت دعائیں دیتے تھے، ہمارے کاموں کو بہت سراہتے تھے، یہی معمول حضرت عزیز ملت قبلہ سربراہ اعلیٰ کا بھی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ انھیں دونوں بزرگوں کی دعاؤں کا اثر ہے کہ میں اپنے کاموں میں مقبول ہوں اور ہمارے تمام ساتھی عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔“**

جلالۃ العلم حضور حافظ ملت نور اللہ مرقدہ اور دیگر اساتذۂ کرام کی خصوصی توجہ رہی اور آپ ایک کامیاب، بلند اخلاق طالب علم کی حیثیت سے تعلیم حاصل کرتے رہے۔ آپ کے اساتذۂ کرام میں ایک سے ایک یکتائے روزگار شخصیات تھیں، چند کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

(۱)-استاذ العلما حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی علیہ الرحمۃ والرضوان۔ (۲)-مرتب فتاویٰ رضویہ حضرت علامہ شاہ حافظ عبد الرؤف بلیاوی علیہ الرحمہ، نائب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ۔ (۳)-سعدیِ زماں حضرت علامہ سید شاہ شمس الحق گجہڑوی علیہ الرحمہ، استاذ جامعہ اشرفیہ۔ (۴)-

قاضیِ شریعت حضرت علامہ قاضی محمد شفیع اعظمی علیہ الرحمہ، شیخ الادب جامعہ اشرفیہ۔(۵)-استاذ القرا حضرت علامہ قاری محمد یحییٰ مبارک پوری علیہ الرحمہ، استاذ وناظمِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ۔(۶)-بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبدالمنان اعظمی علیہ الرحمہ، سابق صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ۔

آپ کے احباب اور ہم جماعت حضرات میں بھی بڑی بڑی اہم شخصیات تھیں، چند اسماے گرامی حسب ذیل ہیں۔

(۱)-پیر طریقت حضرت مولانا مفتی محمد عبید الرحمٰن رشیدی مصباحی پورنوی، سجادہ نشین خانقاہ قادریہ جون پور (۲)-حضرت مولانا غلام مصطفیٰ رشیدی مصباحی۔(۳)-صوفیِ باصفا حضرت علامہ سید شاہ محمد غلام جیلانی دامت برکاتہم العالیہ، بانی جامعہ صوفیہ کچھوچھا مقدسہ۔(۴) حضرت مولانا مفتی شبیر حسن رضوی مصباحی علیہ الرحمہ سابق شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ روناہی۔(۵)-مفتیِ اعظم بندیل کھنڈ، حضرت مولانا محمد حسیب الدین عزیزی مصباحی علیہ الرحمہ۔(۶)-حضرت مولانا سید شاہ غیاث الدین مصباحی، چمپارن۔

آپ دورانِ تعلیم اپنے وقت کی بھرپور قدر فرماتے تھے۔بڑی محنت سے مطالعہ فرماتے اور درس گاہوں میں پورے انہماک اور توجہ کے ساتھ پڑھتے تھے، اساتذۂ کرام کا ادب واحترام بھرپور فرماتے تھے، طلبہ کے درمیان باوقار انداز سے رہتے تھے، مشہور ہے کہ کبھی نگراں صاحب کو آپ کی کوئی شکایت نہیں ملی بلکہ پوری تندہی اور اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ حصول علم میں مصروف رہتے تھے، اس وقت ہمارے سامنے درجۂ فضیلت دار العلوم اشرفیہ مبارک پور کی مارکشیٹ ہے، اسے ہم من وعن پیش کرتے ہیں اس سے آپ کی علمی لیاقت کا اندازہ لگانا آسان ہوگا۔

MARK SHEET FAZIL DARUL OLOOM ASHRAFIA MUBARAKPUR (AZAMGARH) U.P.

This is to certify that Ahmad Raza s/o Mohammad Hanif appeared in the above examination of the year/[illegible] and passed and was placed in First division.
his date of birth is 1 November 1947

Subjects examined:

| Subject. | Full marks. | Marks obtained. |
|---|---|---|
| HADIS | 100 | 95 |
| WASUL HADIS | 100 | 80 |
| TAFSIR | 100 | 70 |
| TARIKH | 100 | 68 |
| AFALI ADAB | 100 | 90 |
| [illegible] ADAB | 100 | 85 |
| FIQA WASUL FIQA | 100 | 80 |
| FALSAFA | 100 | 92 |
| [illegible] | 100 | 75 |
| TOTAL | 900 | 735 |

DARUL ULOOM ASHRAFIA
P.O. Mubarakpur,
AZAMGARH, U.P. (India)

Signature of Principal.
Principal,
Abdul Aziz

اس مارکشیٹ میں بحیثیت پرنسپل استاذ العلما حضرت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی قدس سرہ کا اسم گرامی ان کے اصل دستخط کے ساتھ موجود ہے۔

آپ کی فراغت ۱۰؍ شعبان المعظم ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۳؍ نومبر ۱۹۶۷ء میں ہوئی، مسرت وشادمانی کا ماحول تھا، اہلِ خانہ اور عزیز واقارب نے شرعی تقاضوں کے مطابق خوشیوں کا اظہار فرمایا، احباب نے خوب خوب مبارک بادیاں پیش فرمائیں، بزرگوں اور اساتذہ نے تبریکات کے ساتھ مزید علم وعمل کی خوب خوب دعائیں عطا فرمائیں۔

## نکاحِ مسنون اور اولاد امجاد:

پیکرِ عزیمت واستقامت حضرت مولانا احمد رضا مصباحی علیہ الرحمہ عہدِ طالب علمی میں ہی بہت نیک سیرت اور پابند صوم وصلوٰۃ تھے، آپ سے اساتذہ بھی بے پناہ محبت فرماتے تھے، جلالۃ العلم حضور حافظِ ملت نور اللہ مرقدہ تو خوب چاہتے تھے، استاذ القرا حضرت مولانا قاری محمد یحییٰ علیہ الرحمہ بجاے خود نیک اور صالح بزرگ تھے اور دار العلوم اشرفیہ کے ذمہ دار استاذ اور معتمد ناظمِ اعلیٰ تھے، انھوں نے اپنی صاحب زادی محترمہ مظہر میمونہ بیگم صاحبہ دام ظلہا العالی کے لیے حضرت علیہ الرحمہ کا انتخاب فرمایا، ہر طرف خوشیوں کی لہر دوڑ گئی، حضور حافظِ ملت علیہ الرحمہ نے بھی بھرپور اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: قاری صاحب! بچی کا نکاح میں خود پڑھاؤں گا، تاریخ طے ہوگئی، چند افراد پر مشتمل بارات آگئی، مگر حضور حافظِ ملت کسی پروگرام میں تشریف لے گئے تھے، آج کے عہد کی طرح رابطے آسان نہیں تھے، حضور حافظِ ملت کی ٹرین لیٹ ہوگئی، مگر سب لوگ مسلسل منتظر تھے، خیر حضور حافظِ ملت

علیہ الرحمۃ دوسرے دن ۲۰/ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۸ھ مطابق ۱۴/ اکتوبر ۱۹۶۸ء بروز دوشنبہ جلوہ گر ہوئے اور اسی وقت بعد نمازِ ظہر آپ نے انتہائی اطمینان کے ساتھ سنت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مطابق نکاح خوانی فرمائی۔ یہ بارات کی خوش نصیبی رہی کہ مسلسل قیام وطعام سے سرشار ہوتی رہی۔ نمازِ عصر کے بعد بارات واپس ہوئی، حضرت کے برادرِ صغیر محترم ضیاء الحسن کا بیان ہے کہ بارات ۱۰/ بجے شب کے قریب چل کہر ریلوے اسٹیشن واپس پہنچی، گاؤں کے ہندو مسلم لاٹھی ڈنڈوں کے ساتھ لینے کے لیے آئے اور بھائی جان کی خوب صورت نئی زندگی کا آغاز ہو گیا۔

محترم بزرگ حضرت مولانا احمد رضا مصباحی علیہ الرحمۃ نے انتہائی خوشگوار زندگی کا آغاز کیا، سب سے پہلے آپ کی دخترِ نیک اختر محترمہ فاطمہ تبسم صاحبہ تولد ہوئیں جو ماشاء اللہ تعلیم یافتہ اور نیک سیرت ہیں، آپ جامعہ اشرفیہ کے شعبۂ نسواں میں تدریسی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ ان کا نکاح حضرت کے حقیقی بھانجے جناب ماسٹر فخر عالم صاحب سے ہوا، یہ مبارک پور میں ہی ٹیچر ہیں اور خوشگوار ازدواجی زندگی گزار رہے ہیں۔ آپ علیہ الرحمۃ کے پانچ فرزند ارجمند ہیں، (۱) محب گرامی ماسٹر احمد ندیم، انچارج مدرسہ اشرفیہ پرائمری، مبارک پور۔ (۲) محترم ڈاکٹر احمد کلیم بی یو ایم ایس الہ آباد، آپ اشرفیہ ہاسپیٹل جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں ڈاکٹر ہیں۔ (۳) جناب وسیم رضا بی ٹیک روہیل کھنڈ یونیورسٹی بریلی، اس وقت لکچرر پالی ٹیکنک کالج بلریا گنج، اعظم گڑھ (۴) جناب محمد مونس رضا بی فارما، آپ ریاض، سعودیہ عربیہ میں فارماسسٹ ہیں۔ (۵) جناب محمد عارض رضا، بی ٹیک۔

محلہ پورہ رانی مبارک پور میں آپ کا خوب صورت مکان ہے، تمام برادران ایک ساتھ رہتے ہیں، ماشاء اللہ سب باشعور اور اخلاق کے پیکر ہیں، محب گرامی جناب ماسٹر احمد ندیم صاحب بڑے دانش مند ہیں، والدِ گرامی کے نقشِ قدم پر ہیں، آپ نے والد گرامی کے وصال پر ملال کی صبح سب موجود بھائیوں کو جمع کیا اور فرمانے لگے آپ لوگ گھبرائیں نہیں، ہر انسان کو ایک نہ ایک دن اس دنیا سے رخصت ہونا ہے، اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ ہمارے والدین کریمین نے ہم سب کی تعلیم وتربیت کا انتظام فرمایا، والد ماجد کا وصال پر ملال ہو گیا، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، اب ہم ان کی جگہ ہیں، جہاں تک ممکن ہوگا، انتہائی اخلاص ومحبت سے ہم بھائیوں کے ساتھ برتاؤ کریں گے، اب آپ مجھے ہی اپنے والد گرامی کی جگہ سمجھیں، ہم ان شاء اللہ تعالیٰ ابّا جان علیہ الرحمۃ کی طرح آپ تمام بھائیوں کی خدمات انجام دینے کی کوشش کریں گے۔ ماسٹر احمد ندیم صاحب کی اس گفتگو کو سن کر ہم نے بے پناہ مسرت کا اظہار کیا اور ان کی عقل مندی اور سوجھ بوجھ کو کی داد دی، اللہ تعالیٰ تمام بھائیوں، بہن اور والدہ ماجدہ کو اپنی خاص نعمتوں سے سرفراز فرمائے اور سب کو عمرِ خضر عطا فرمائے۔ آمین۔

## تدریسی خدمات اور بڑے بابو کی پوسٹ:

دار العلوم اشرفیہ مبارک پور سے فراغت ۱۰/ شعبان المعظم ۱۳۸۷ھ/ ۱۹۶۷ء میں ہوئی، ۱۹۶۸ء میں دار العلوم اشرفیہ مبارک پور میں بحیثیت معین المدرسین تدریسی خدمات انجام دیں، اس کے بعد ۱۹۶۹ء میں آپ کا تقرر مدرسہ ضیاء العلوم ادری ضلع اعظم گڑھ [مئو] میں ہوا۔ آپ نے ایک مکمل برس تک بڑی نیک دلی ور محنت سے تعلیم وتربیت کی خدمات انجام دیں، آپ اپنی بلند اخلاقی اور صالح کردار کی وجہ سے بھی مقبول ومتعارف ہو گئے۔ اس کے بعد تیج پور آسام میں، مگر حضرت تحریر فرماتے ہیں کہ "پانچ چھ ماہ علاقائی مکتبوں میں پڑھایا، اسی دوران مئی ۱۹۷۰ء میں حضرت علامہ حافظ عبد الرؤف بلیاوی [حافظ جی] نائب شیخ الحدیث دار العلوم اشرفیہ کا مکتوب گرامی موصول ہوا، جس میں آپ کو دار العلوم اشرفیہ تشریف لانے کی دعوت تھی۔ ماقبل کی جگہ سے مستعفی ہو کر آپ دار العلوم اشرفیہ مبارک پور آ گئے اور حضرت علامہ حافظ عبد الرؤف بلیاوی علیہ الرحمۃ سے شرف ملاقات حاصل کیا، اس کے بعد آپ بصد احترام حضور حافظِ ملت کی درس گاہ میں تشریف لے گئے، سلام ودست بوسی کے بعد عرض کیا، حضور آپ کے حکم پر خادم حاضر ہو چکا ہے۔ حضور حافظِ ملت نے حسبِ عادت سر اٹھایا اور بڑے پیار بھرے انداز میں فرمایا: "ماشاء اللہ! بہت اچھا ہوا آپ آ گئے، اب آپ کو اسی دار العلوم میں مستقل رہنا ہے اور ناظم دار العلوم حضرت قاری محمد یحییٰ صاحب کا ہاتھ بٹانا ہے۔" اور دعائیں دیتے ہوئے آپ کو ذمہ داروں کے پاس بھیج دیا۔ اس کے بعد باضابطہ آپ کو دفتری امور سونپ دیے گئے اور دو گھنٹیاں برائے تدریس دے دی گئیں، آپ نے بہ خوشی دونوں کام شروع فرما دیے۔

۱۹۷۱ء * ۱۹۷۲ء کی روداد میں آپ کے نام یہ کتابیں درج ہیں: نحو میر اور پنج گنج۔ حضرت قاری ابرار احمد مصباحی نے فرمایا کہ حضرت سے ہم نے باضابطہ درس گاہ میں بہارِ شریعت حصہ اول پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔ صاحب زادگان وغیرہ حضرات نے فرمایا کہ حضرت انگریزی کی گھنٹی بھی پڑھاتے تھے۔ بعد کی روداد میں بھی بحیثیت مدرس آپ کا نام درج ہے، مگر وہاں کتابوں کا ذکر نہیں ہے۔ ہم سے بھی متعدد بار ذکر فرمایا کہ ہم

باضابطہ کتابیں پڑھاتے تھے، ایک بار حضرت نے ہم سے فرمایا کہ پہلے ہم مدارس میں امتحان بھی لینے جاتے تھے، جامعہ اسلامیہ اشرفیہ سکٹھی کا آپ نے ذکر فرمایا کہ ایک بار ہم نے وہاں حضرت علامہ شہاب الدین القلیوبی کی معروف کتاب "القلیوبی" کا امتحان بھی لیا تھا۔

بہر کیف یہ تو مسلم ہے کہ آپ فاضل جلیل تھے، دورے کی مارکشیٹ سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ عہدِ طالب علمی میں اعلیٰ نمبروں سے پاس ہوتے تھے، اردو، عربی اور فارسی کے ساتھ آپ ہندی اور انگریزی بھی خوب جانتے تھے، آپ نے باضابطہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے صرف انگریزی میں ہائی اسکول بھی کیا تھا اور دار العلوم اشرفیہ میں انگریزی پڑھاتے بھی تھے، آپ ہر زبان میں خوش خط تھے۔ حساب کتاب میں تو خوب مہارت رکھتے تھے اور کروڑوں اور لاکھوں کا حساب منٹوں میں کرنے کا ہنر اور تجربہ رکھتے تھے۔ امانت، دیانت اور صداقت میں ہمیشہ کھرے اترے، آپ کی شخصیت اور ذات پر بڑے سے بڑا مخالف بھی ایک حرفِ شکایت نہ رکھ سکا، آپ کی انھیں اداؤں نے حضور حافظِ ملت قدس سرہ کو، آپ کو تیج پور آسام سے بلا کر دار العلوم اشرفیہ مبارک پور میں رکھنے پر مجبور کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ان دونوں اکابر کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند فرمائے۔ آمین

## شرف بیعت اور حج و زیارت:

آپ کا خاندان اعتقادی اور روحانی طور پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ اور ان کی اولاد امجاد سے منسلک ہے، آپ کے دادا جان عالی جناب محمد شریف عرف شریفاً میاں اعلیٰ حضرت محدث بریلوی سے بیعت تھے اور روحانی طور پر اعلیٰ مقام رکھتے تھے، آپ کے والد ماجد جناب ماسٹر محمد حنیف قادری علیہ الرحمہ اور آپ کی والدہ ماجدہ محترمہ مریم صاحبہ علیہا الرحمہ شہزادۂ اعلیٰ حضرت، حضرت حجۃ الاسلام علامہ شاہ حامد رضا قادری برکاتی قدس سرہ سے کلکتہ میں مرید ہوئے اور فیوض و برکات حاصل فرمائے۔ حضرت مولانا احمد رضا مصباحی علیہ الرحمہ ۲۰؍ نومبر ۱۹۷۸ء کو سرکار مفتیٔ اعظم ہند حضرت مفتی مصطفیٰ رضا نوری بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان سے بیعت ہوئے اور شجرہ قادریہ رضویہ کا ورد فرماتے تھے۔

۲۰۱۱ء میں حضرت مولانا احمد رضا مصباحی علیہ الرحمہ مع اہلیہ محترمہ حج و زیارت کے فیضان سے مالا مال ہوئے، ان کے ساتھ ان کے شہزادے برادرم جناب وسیم رضا بھی تشریف لے گئے تھے، بڑے اطمینان و سکون سے مراسم حج ادا فرمائے اور عشق و محبت میں ڈوب کر بارگاہِ رحمتِ دو عالم ﷺ میں حاضری کی سعادت حاصل فرمائی۔ اور درود و سلام کے نذرانے پیش کیے، حدیثِ رسول ﷺ ہے "مَنْ زَارَ تُرْبَتِیْ وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ. آقا ﷺ فرماتے ہیں: جس نے میری تربت کی زیارت کی، میرے لیے اس کی شفاعت ضروری ہوگئی۔ امام احمد رضا محدث بریلوی فرماتے ہیں:

مَنْ زَارَ تُرْبَتِیْ وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ ان پر درود جن سے نوید اس بشر کی ہے

## حضرت کی شخصیت کے چند یادگار پہلو:

اس میں کوئی شبہہ نہیں آپ عالمِ باعمل تھے، کم گو اور حق گو تھے، جو کہتے وہی کرتے اور جو کرتے وہی کہتے تھے، صبر و تحمل اور صداقت شعاری آپ کی حیات کے لوازمات تھے، پابند صوم و صلاۃ تھے، معاملات گھریلو ہوں یا ادارے کے، دیانت داری ان کی خصوصیت تھی، ذمہ داران ادارہ ان پر آنکھ بند کر کے اعتماد کرتے تھے، بلوں پر دستخط کرنے کا اختیار حضرت سربراہ اعلیٰ یا ناظمِ اعلیٰ کا ہے، مگر برسوں سے ذمہ داروں نے یہ اختیار آپ کو بھی عطا کر دیا تھا، لوگ جب بل لے کر ان کے پاس بے وقت چلے جاتے تو حضرت مسکراتے ہوئے فرماتے ابھی نہیں بعد میں آئیے گا۔ چپراسی عام طور پر ان کے ماتحت رہتے تھے، چپراسیوں کی چھٹیاں بھی عام طور پر وہی منظور فرماتے تھے، آپ کبھی کبھی چپراسیوں پر خفا بھی ہو جاتے تھے، مگر صرف تھوڑی دیر کے لیے۔

خود میں اپنی بات کرتا ہوں، کبھی کبھی موبائل سے کال فرماتے، ارے کہاں ہیں حضرت؟ کئی دنوں سے زیارت نہیں ہوئی، ہم عرض کرتے ارے حضرت بڑی مصروفیت ہو جاتی ہے، اگر کوئی ضروری کام ہو تو میں ابھی آجاتا ہوں، کہتے: بس یوں ہی یاد کر لیا، اگر موقع ہو تو آجائیے اور میں اسی وقت پہنچ جاتا، دنیا جانتی ہے کہ جامعہ اشرفیہ کی رقوم ان کے اختیار میں رہتی تھیں مگر اس کے باوجود کبھی ہم سے بھی مانگ لیتے تھے، مگر قبل از وقت عطا فرما دیتے تھے، شاید بیس پچیس دن پہلے کی بات ہے کہ میں چھٹی کے وقت ان کے آفس میں پہنچا، چند باتوں کے بعد ہم نے عرض کیا، آئیے حضرت! غریب خانے پر چلتے ہیں۔ پہلے تو انکار فرمایا، مگر پھر فرمایا چلیے بھائی آپ کے گھر چلتے ہیں۔ آپ فیملی کالونی تشریف لائے اور اپنے گھر فون بھی کر دیا کہ آج ہم مولانا مبارک حسین کے گھر جا رہے ہیں، آپ لوگ انتظار مت کرنا۔ بر وقت جو ناشتہ موجود تھا پیش کیا اور اس کے بعد ماحضر طعام بھی۔ ماشاء اللہ! فراغت کے بعد خوب دعائیں دیں، وصال کے دو دن کے بعد جب ہم ان کے گھر گئے تو ان کے صاحب زادے جناب وسیم رضا فرمانے لگے کہ ابو آپ سے تو بہت قریب تھے، ابھی چند روز

قبل جب آپ ان کو اپنے گھر لے گئے تھے تو انھوں نے فون کیا تھا - ہمارے غریب خانے سے - فراغت کے بعد جب حضرت جانے لگے تو ہم نے محمد ادریس علی سے کہا کہ حضرت کو گھر چھوڑ آتے، مگر حضرت نے فرمایا، نہیں! ہم نے فون کر دیا ہے، لینے کے لیے کوئی آہی رہا ہو گا۔ مگر ہم نے اخلاقی طور پر اصرار کر کے اپنی گاڑی سے روانہ کیا اور عزیز المساجد کے قریب ہی پہنچے ہوں گے کہ آپ کے کوئی صاحب زادے آگئے اور محمد ادریس علی کو واپس کر دیا۔

ماسٹر احمد ندیم اور ڈاکٹر احمد کلیم فرماتے ہیں کہ حضرت کو غریبوں اور پریشان حالوں کا خوب خیال رہتا تھا، کتنی ہی بار ایسا ہوا کہ فرمایا، فلاں صاحب کو فلاں چیز دے دو، ہم آپ کو دے دیں گے، کسی کی مدد کا یہی اسلامی طریقہ ہے کہ ایک ہاتھ سے دیجیے تو دوسرے ہاتھ کو خبر نہ ہو، ہمیں اپنے اہلِ خانہ سے معلوم ہوا کہ رشتے دار خواتین بھی اسی طرح رو رہی تھیں جس طرح سگے روتے ہیں۔

آپ دار العلوم اشرفیہ سے جامعہ اشرفیہ تک پچاس برس تک خدمت انجام دیتے رہے، مگر کسی ایک انسان کو بھی آپ سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوئی، کسی بھی تحریک یا ادارے کے لیے روپے رکھنے کا مرحلہ بڑا نازک ہوتا ہے، مگر ہم نے آج تک کسی سے نہیں سنا کہ اسے کسی بھی معاملے میں آپ سے کوئی شکایت ہوئی ہو، آپ کی تقرری کے چند روز بعد حضرت علامہ قاضی محمد شفیع اعظمی جو شیخ الادب کے ساتھ نائب صدر بھی تھے، جب باہر جانے لگے تو ایک رقم آپ کو دے گئے اور فرمایا اسے رکھیے، میں واپس آؤں گا تو لے لوں گا، وہ تشریف لے آئے، آپ متعدّد بار وہ رقم لے کر ان کے پاس تشریف لے گئے، مگر ہر بار انھوں نے فرمایا کہ رکھیے لے لیں گے کسی دن۔ اس کے بعد قاضی صاحب نے حضور حافظ ملت سے عرض کر دیا تو حضور حافظ ملت نے آپ کو بلایا اور فرمایا اس رقم کو رکھیے، آپ نے حسب عادت عرض کیا، حضرت رقم کا معاملہ بڑا نازک اور ذمہ داری کا ہوتا ہے تو حضور حافظِ ملت نے اپنے مخصوص لہجے میں فرمایا: جی ہاں! آپ رکھیے ہم ہیں نا! آپ فکر نہ کیجیے۔ حضور حافظ ملت کا یہ کرامت آثار جملہ آپ کی زندگی بھر حفاظت فرماتا رہا۔

حاصل تحریر یہ ہے کہ ہمارے بزرگ حضرت مولانا احمد رضا مصباحی ایک مخلص اور باعمل عالم ربانی تھے، تواضع وانکساری اور بلند اخلاق و کردار کی حامل شخصیت تھی، حضور حافظ ملت اور اپنے اساتذہ اور اپنے اکابر کی بارگاہوں میں ہمیشہ باادب رہتے، آپ اپنے معاصرین اور اصاغر سے بھی بھرپور محبت فرماتے تھے، قول و فعل میں یکسانیت، حق گوئی اور صداقت شعاری میں بلند اور بہت بلند تھے، امانت داری اور دیانت میں وہ شریعتِ طاہرہ کی عملی تصویر تھے، غیبت اور چغل خوری سے حد درجہ نفرت فرماتے تھے، حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد، انھیں پورا کرنے کے لیے حد درجہ کوشش فرماتے تھے، نہ کسی کو برا کہتے اور نہ کسی کا برا چاہتے تھے، اغیار و اخیار کے ساتھ یکساں سلوک فرماتے، وہ اپنے گھر ہی میں نہیں دیگر افراد کے ساتھ بھی حق و انصاف فرماتے، آج تک ایک بات بھی کوئی ایسی نظر نہیں آئی جس کی بنیاد پر لوگ ان سے بیزار نظر آتے، سب سے مسکرا کر ملنا، دل جوئی اور حوصلہ افزائی کرنا یہ ان کی ادائے دل نوازتھی، آپ باتوں ہی باتوں میں شرعی مسائل سے آگاہ فرمادیتے تھے، آپ بزرگوں کے ادب و احترام میں بھی ایک مثالی مثال تھے، مردوں اور عورتوں کے حقوق کی ادائیگی میں کچھ کم و بیش نہیں فرماتے۔ ہر ایک ضرورت مند کی حسبِ استطاعت خاموشی سے خدمت فرماتے، لباس سادہ مگر صاف ستھرا پہنتے تھے۔ گرمیوں میں کرتہ پر صدری پہنتے اور سردیوں میں چسٹر، شیروانی یا جبہ شریف زیب تن فرماتے، جو تاقیمتی ناگرہ استعمال فرماتے، وہ اپنے بھولے اور مسکراتے چہرے سے ولی صفت معلوم ہوتے تھے، اسٹاف کے ساتھ بھی بڑی محبت سے پیش آتے تھے، آپ کی اولاد بھی بے پناہ محبت فرماتی ہے، ماشاء اللہ سب تعلیم یافتہ اور بلند اخلاق ہیں۔

ہماری دعا ہے کہ مولا تعالیٰ حضرت مولانا احمد رضا مصباحی علیہ الرحمۃ کی دینی، روحانی اور انسانی خدمات کو قبول و مقبول فرمائے، انھیں ان کے نیک اعمال اور اخلاص و للّٰہیت کی بھرپور جزاؤں سے سرفراز فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے، ان کی محترمہ اہلیہ مظہر میمونہ بیگم صاحبہ دام ظلہا العالی کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے، حضرت کی تمام اولاد، امجاد اور اعزہ و اقارب کو صبر و شکر کی توفیق ارزانی فرمائے، ان کے تمام احباب، متعلقین اور متعلقات کو خاص صبر و اجر سے نوازے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہم دل کی اتھاہ گہرائیوں سے دعا جو ہیں کہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی جو عظیم خدمات انجام دی ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے صدقے میں ان المتقین فی جنت النعیم کے زمرے میں ہمیشہ ہمیشہ رکھے، آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین یارب العالمین و علیٰ آلہ واصحابہ اجمعین برحمتک یاارحم الراحمین۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے　　　سبزۂ نورستہ اِس گھر کی نگہ بانی کرے

☆☆☆☆

# تفسیرِ آیت

## لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی

مفتی منیب الرحمٰن

### لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا

''لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا'' کے معنی ہیں: ''میں اس (دعوتِ حق) پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا''۔ اس مضمون کی آیات قرآنِ مجید میں گیارہ مقامات پر آئی ہیں، ان میں سے چار مقامات سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ہیں اور سات مقامات حضراتِ نوح، ہود، صالح، لوط اور شعیب علیہم السلام کے بارے میں ہیں۔ پہلے ہم دیگر انبیائے کرام کے حوالے سے آیات کا ترجمہ بیان کرتے ہیں:

حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم سے مخاطب ہوکر فرماتے ہیں:

(۱)''اے میری قوم! میں اس (دعوتِ حق) پر تم سے کوئی مال طلب نہیں کرتا، میرا اجر توفقط اللہ کے ذمۂ کرم پر ہے۔'' (ہود:۲۹)

(۲)''اور میں اس (دعوتِ حق) پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر توفقط رب العالمین کے ذمے ہے۔''(الشعراء:۱۰۹)

حضرت ہود علیہ السلام فرماتے ہیں:

(۳)''اے میری قوم! میں اس (دعوتِ حق) پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر توفقط اُس کے ذمے ہے جس نے مجھے پیدا کیا کیا تم سمجھتے نہیں ہو۔'' (الانعام:۵۱)

(۴)''بے شک میں تمھاری طرف امانت دار رسول ہوں، پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں اس (دعوتِ حق) پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر توصرف ربُّ العالمین کے ذمے ہے۔'' (الشعراء:۱۲۵-۱۲۷)

(۵)حضرت صالح علیہ السلام فرماتے ہیں:

''بے شک میں تمھاری طرف امانت دار رسول ہوں، پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں اس (دعوتِ حق) پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر توصرف ربُّ العالمین کے ذمے ہے۔''(الشعراء:۱۴۳-۱۴۵)

(۶)حضرت لوط علیہ السلام فرماتے ہیں:

''بے شک میں تمھاری طرف امانت دار رسول ہوں، پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں اس (دعوتِ حق) پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، بس میرا اجر تو ربُّ العالمین کے ذمے ہے۔''(الشعراء:۱۶۲-۱۶۴)

(۷)حضرت شعیب علیہ السلام فرماتے ہیں:

''بے شک میں تمھاری طرف امانت دار رسول ہوں، پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں اس (دعوتِ حق) پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر توصرف ربُّ العالمین کے ذمے ہے۔(الشعراء:۱۷۸-۱۸۰)

تفسیر کا اعلیٰ درجہ تفسیر القرآن بالقرآن ہے۔ سورۂ ہود:۲۹ میں تو ہود علیہ السلام صراحت کے ساتھ فرماتے ہیں: ''میں اس (دعوتِ حق) پر تم سے کوئی مال نہیں مانگتا''۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام نے جس اجر کی نفی فرمائی ہے، اس سے دنیوی اجر مراد ہے اور ظاہر ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام پیغامِ رسالت کو پہنچانے کے لیے کسی دنیوی صلے کی تمنا ہرگز نہیں کرسکتے۔ یہی وجہ ہے کہ تین مقامات پر نبی کریم ﷺ جب یہی بات اپنی قوم سے فرماتے ہیں تو آپ کو قوم کی جانب سے جو اجر یا جزا مقصود ہے، وہ قبولِ حق ہے، اس لیے دو مقامات پر آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''یہ تو نصیحت ہے تمام جہان والوں کے لیے'' اور تیسرے مقام پر آپ فرماتے ہیں: ''سوائے اس کے کہ جو چاہے اپنے رب کی طرف راستے کو اختیار کرلے''۔ یہ معنی حدیث پاک کے بالکل مطابق ہے: آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

سہل بن سعد بیان کرتے ہیں: انھوں نے نبی ﷺ کو غزوۂ خیبر کے دن یہ فرماتے ہوئے سنا: میں ضرور یہ جھنڈا کل اُس شخص کو دوں گا جس کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا، جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتے ہیں، راوی بیان کرتے ہیں: لوگ شب بھر مضطرب رہے کہ (کل صبح) جھنڈا کسے عطا کیا جاتا ہے، پس جب صبح ہوئی تو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، ہر ایک کی تمنا تھی کہ یہ اعزاز اُسے ملے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟، آپ کو بتایا گیا انھیں آشوبِ چشم کی شکایت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اُسے بلاؤ، سو وہ بلائے گئے، پھر آپ ﷺ نے اُن کی آنکھوں میں اپنا لعابِ مبارک لگایا اور اُن کے لیے دعائے صحت فرمائی، وہ ایسے صحت یاب ہوئے کہ گویا انھیں کبھی تکلیف ہوئی ہی


muftinaeemia@yahoo.com

نہیں تھی، سو آپ نے جھنڈا انہیں عطا کر دیا۔ حضرت علی نے فرمایا: یارسول اللہ! کیا میں اُن سے لڑتا رہوں یہاں تک کہ وہ ہم جیسے ہو جائیں (یعنی اسلام قبول کرلیں)، آپ ﷺ نے فرمایا: نرم روی سے چلتے رہو یہاں تک کہ تم اُن کی سرزمین پر پہنچ جاؤ، پھر انہیں اسلام کی دعوت دو اور انہیں یہ بتاؤ کہ اُن پر اللہ کا کیا حق واجب ہے، پس اللہ کی قسم! اگر تمھاری وجہ سے ایک شخص بھی ایمان لے آئے، تو یہ تمھارے لیے سرخ اونٹوں (کے ریوڑ) سے بہتر ہے۔" (بخاری: ۴۲۱۰)

"حُمْرُ النَّعَمْ" یعنی سرخ اونٹوں کا ریوڑ، دولتِ دنیا کی کثرت سے استعارہ ہے، گویا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جہاد کا مقصد کشور کشائی اور مالِ دنیا کا حصول نہیں ہے، بلکہ دعوتِ دین کو پھیلانا ہے، اس لیے آپ ﷺ نے ایک شخص کے ایمان لانے کو بھی دنیا کی دولت سے بڑی نعمت قرار دیا۔ پس معلوم ہوا کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مقصود دنیا کا مال جمع کرنا نہیں تھا بلکہ عالَمِ انسانیت کو نعمتِ ایمان سے سرفراز کرکے ان کی عاقبت کو سنوارنا تھا۔

جو چار مقامات رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی سے متعلق ہیں اُن میں سے تین یہ ہیں: حضرات ابراہیم، اسحاق، یعقوب، نوح، داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ، ہارون، زکریا، یحییٰ، عیسیٰ، الیاس، اسماعیل، الیسع، یونس اور لوط علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ذکر فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(۱) "(اے نبی!) یہی وہ لوگ ہیں، جنہیں اللہ نے ہدایت دی، سو آپ بھی ان کے طریقے پر چلیں، آپ کہیے! میں اس (دعوتِ حق) پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، یہ تو صرف تمام جہان والوں کے لیے نصیحت ہے۔" (الانعام: ۹۰)

(۲) "اور ہم نے آپ کو فقط بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے، آپ کہیے! میں تم سے اس (دعوتِ حق) پر کوئی اجر نہیں مانگتا، سوائے اس کے کہ جو چاہے اپنے رب کی طرف راستے کو اختیار کرلے۔" (الفرقان: ۵۶-۵۷)

(۳) "آپ کہیے! میں تم سے اس (دعوتِ حق) پر کوئی اجر نہیں مانگتا اور میں تکلّف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں، یہ تو فقط نصیحت ہے تمام جہان والوں کے لیے۔" (ص: ۸۶-۸۷)

ان تین مقامات پر رسول اللہ ﷺ نے طلب اجر کی نفی فرمائی ہے، دو مقامات پر فرمایا: یہ تو تمام جہانوں کے لیے نصیحت ہے اور ایک مقام پر فرمایا: سوائے اس کے کہ جو چاہے اپنے رب کی طرف راستے کو اختیار کرلے، الغرض ان تینوں آیات میں بنیادی مقصد دعوتِ دین کا ابلاغ اور لوگوں کو اللہ کی طرف بلانا بتایا گیا ہے۔

چوتھے مقام پر اللہ تعالیٰ آپ کو حکم فرماتا ہے:

(۴) "آپ کہیے! میں اس (دعوتِ حق) پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، سوائے قرابت داروں کی محبت کے۔ (الشعراء: ۲۳)

دیگر دس مقامات کے برعکس یہاں بظاہر اسلوب تبدیل ہوجاتا ہے اور اس لیے اس پر اشکالات پیدا ہوئے اور مفسرینِ کرام کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ ہر نبی تو اپنی قوم سے یہ کہے: "میں اس (دعوتِ حق) پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا" اور آپ ﷺ بھی تین مقامات پر یہی بات کریں مگر ایک مقام پر یہ کہیں: "سوائے (میرے) قرابت داروں کی محبت کے"۔

پس اس کے تین معنی بیان کیے گئے ہیں، ایک میں عموم ہے:

"حضرت عبداللہ بن عباس بیان کرتے ہیں:

کفارِ مکہ نے کہا: اگر آپ یہ سب کچھ دولت کی خاطر کر رہے ہیں تو ہم آپ کو اتنا مال دیں گے کہ آپ مکہ کے امیر ترین شخص ہوجائیں گے اور آپ جس عورت سے شادی کرنا چاہیں، ہم اس کا بھی انتظام کردیں گے، بس آپ ہمارے معبودوں کو برا کہنا چھوڑ دیں۔ انہوں نے ایک درمیانی راستہ بھی تجویز کیا کہ ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے اور ایک سال آپ ہمارے معبودوں لات وعُزّیٰ کی عبادت کریں، یعنی سودے بازی کی بھی پیشکش کی۔ اس کے رد میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکافرون نازل فرمائی۔" (جامع البیان، رقم الحدیث: ۲۹۵۶۳)

چنانچہ علامہ پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

متعدّد مقامات پر مختلف انبیائے کرام کے یہ اعلانات مذکور ہیں: "میں تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کرتا، میرا اجر تو رب العٰلمین کے ذمے ہے"۔ جب دیگر انبیاء اپنی قوموں سے نہ کوئی اجر طلب کر رہے ہیں اور نہ کسی دنیوی اور مالی منفعت کی خواہش کر رہے ہیں، تو سید المرسلین کے متعلق یہ کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے کسی قسم کی منفعت کی خواہش کی ہو۔ دنیا کی کوئی بڑی سی بڑی نعمت، کسی قارون کے بھرے ہوئے خزانے، ارضِ خدا کی فرماں روائی، ان دعاہائے نیم شبی اور گریہ ہائے سحر گاہی کا صلہ نہیں ہوسکتی، جن سے رحمۃ للعالمین ﷺ نے نوع انسانی کو مشرف فرمایا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس مُرقع دلربائی وزیبائی کی نوک مژگاں پر لرزتا ہوا ایک آنسو سارے عالم سے زیادہ قیمتی ہے۔ اگر حضور اپنی اِس دل سوزی واشکباری کے

معاوضہ کی تمنا بھی کرتے، تو آپ ﷺ کی شان رفیع سے بہت فروتر ہوتا، دشمنوں کو انگشت نمائی کا موقع مل جاتا، یہودی اور عیسائی ہمیں طعنہ دے دیتے کہ ہمارے رہنماؤں نے تو یہ اعلان کیا: "میں تم سے اس (دعوتِ حق پر) کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو بس رب العالمین کے ذمے ہے" اور تمھارے رسول نے "مَوَدَّۃ قُربٰی" یعنی اپنے اہل بیت کی محبت کا سوال کرکے اپنی ساری محنت کا معاوضہ طلب کرلیا، العیاذ باللہ! ۔حالاں کہ اسی سورت کی آیت: ۲۰ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اور جو شخص آخرت کی کھیتی کا ارادہ کرتا ہے، ہم اس کی کھیتی میں اضافہ کردیتے ہیں اور جو شخص دنیا کی کھیتی کا ارادہ کرتا ہے، ہم اُس کو اُس میں سے کچھ دے دیتے ہیں اور اُس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔" (ضیاء القرآن، ج:۴، ص:۳۷۷، بتصرف)

## اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی

"اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی" کے معنی ہیں: "سوائے قرابت داروں کی محبت کے"۔

چونکہ کفار مکہ مادّی سوچ کے حامل تھے اور للّٰہیت کا تو اُن کے ہاں کوئی تصور ہی نہیں تھا، اس لیے انہوں نے اپنی اسی اُفتادِ طبع کے سبب رسول اللہ ﷺ کو دعوتِ حق سے دستبردار ہونے کی پیشکش کی تھی، کیوں کہ ان کا خیال یہی تھا کہ آپ ﷺ نے دنیا میں کسی بڑے منصب کے حصول یا دولت کے لیے یہ تحریک برپا کی ہے، امام محمد بن یوسف صالحی شامی لکھتے ہیں:

"جب حضرت ابوطالب رسول اللہ ﷺ کی مدافعت میں استقامت کے ساتھ کھڑے رہے، تو قریش کے کچھ لوگ اُن کے پاس گئے اور کہا: آپ کے بھتیجے ہمارے خداؤں کو برا کہتے ہیں، ہمارے دین میں عیب نکالتے ہیں، ہمیں بے وقوف اور ہمارے آباواجداد کو گمراہ کہتے ہیں، اس لیے آپ یا تو انہیں روکیں، ورنہ درمیان سے ہٹ جائیں، ہم ان سے نمٹ لیں گے، حضرت ابوطالب نے انہیں حکمت سے ٹال دیا۔ قریش پھر حضرت ابوطالب کے پاس آئے اور کہا: آپ بزرگ ہیں، ہمارے نزدیک آپ کا بڑا مرتبہ ہے، ہم نے آپ کو بھتیجے کی حمایت سے بہت روکا، لیکن آپ نہ رکے، اب ہم اپنے خداؤں کی توہین برداشت نہیں کریں گے، آپ انہیں روک دیں یا ہماری آپ سے فیصلہ کُن جنگ ہوگی۔ حضرت ابوطالب اس پر سخت رنجیدہ ہوئے اور انہوں نے نبی ﷺ سے کہا: بھتیجے! تمھاری قوم کے لوگ میرے پاس آئے اور یہ کہا، پس آپ مجھ پر اور اپنے آپ پر ترس کھائیں اور مجھے میری بساط سے زیادہ مشکل میں نہ ڈالیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چچا جان! اللہ کی قسم! اگر یہ سورج کو میرے دائیں ہاتھ اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ میں لاکر رکھ دیں کہ میں اپنا مشن چھوڑ دوں، تو میں ہرگز نہ چھوڑوں گا تاوقتیکہ اللہ اپنے دین کو غالب کردے یا میری جان اس راہ میں قربان ہوجائے۔" (سُبلُ الھُدیٰ والرَّشاد، ج:۲، ص:۳۲۶-۳۲۷، بتصرف)

پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

"سرورِ عالم ﷺ کی مقدس زندگی کا ایک ہی مقصد تھا کہ اللہ تعالیٰ کے جو بندے اپنی گمراہیوں کے باعث اپنے رب سے بہت دور جاچکے ہیں، پھر قریب ہوجائیں۔ کفر و شرک کے اندھیروں سے نکل کر پھر نورِ ہدایت سے اپنے قلب و نظر کو منوّر کریں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے حضور ﷺ کی لگن کا یہ عالم تھا کہ دن رات اسی میں مشغول رہتے، ان کو سمجھاتے، وہ غصہ ہوتے تو حضور مسکرا دیتے، وہ گالیاں بکتے تو حضور ﷺ دعائیں دیتے، وہ روشن معجزات دیکھ کر اور آیاتِ الٰہی سن کر بھی کفر سے چمٹے رہنے پر اصرار کرتے، تو حضور ﷺ کے شفیق دل پر غم و اندوہ کے بادل چھا جاتے، آپ رات بھر اللہ تعالیٰ کی جناب میں ان کے لیے ہدایت کی دعائیں مانگتے۔ اخلاص و محبت کا یہ بے مثل انداز کفار مکہ نے بھلا کب دیکھا تھا۔ وہ دل ہی دل میں خیال کرتے کہ اس ساری جدّوجُہد اور شبانہ روز تگ و دو کے پیچھے یقیناً کوئی بڑا مقصد ہے، جس کے حصول کے لیے آپ ﷺ اتنی مشقت برداشت کررہے ہیں اور ہمارے جور و جفا پر بے حد حوصلے اور حِلم کا مظاہرہ کررہے ہیں۔ لامحالہ یہ دولت جمع کرنا چاہتے ہیں یا انہیں اقتدار کی ہوس ہے یا بادشاہ بننا چاہتے ہیں، آخر کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے جس کے باعث انہوں نے اپنا یہ حال بنا رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیبِ کریم ﷺ کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیتے ہیں کہ اے نادانو! تم کس اُدھیڑبُن میں ہو، سن لو میں اپنی اس جانکاہی اور دل سوزی کا تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرنا چاہتا۔ البتہ میری یہ خواہش ضرور ہے کہ تم نے آپس میں قتل و غارت کا جو بازار گرم کر رکھا ہے اور ایک دوسرے کی ایذا رسانی میں اپنی قوتیں صرف کررہے ہو، اس سے باز آجاؤ اور آپس میں پیار و محبت سے رہو۔ تمھاری باہم رشتہ داریاں اور قرابتیں ہیں، تمہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ بھائی بھائی کا گلا کاٹے، چھوٹا بڑے کی پگڑی اچھالے، کسی کی جان و مال محفوظ نہ ہو۔ مجھے تمھارے یہ انداز پسند نہیں، میں تم سے یہ مطالبہ کرتا ہوں کہ ایک دوسرے سے محبت اور ایک دوسرے کا احترام کرنا سیکھو تاکہ تمھاری زندگی میں ایک خوشگوار تبدیلی نمودار ہوجائے۔" (ضیاء القرآن، ج:۴، ص:۳۷۶، بتصرف)

اس تفسیر کے مطابق اس کا فائدہ جملہ قریش کے لیے تھا۔

دوسرا معنی تمام قریش میں رسول اللہ ﷺ کی قرابت تھی، جب قریش نے آپ کی رسالت کی تکذیب کی اور آپ کی اتباع کرنے سے انکار کردیا تو آپ ﷺ نے اُن سے فرمایا: اے میری قوم! تم نے میری اتباع سے تو انکار کرہی دیا ہے، لیکن تمھارے ساتھ میری قرابت ہے، اسی کی پاس داری کرلو۔" (المعجم الکبیر: ۱۳۰۲۶، صحیح البخاری: ۴۸۱۸)

اگرچہ محبتِ اہلِ بیت ہمارے ایمان کا تقاضا ہے، آیتِ تطہیر، آیتِ مباہلہ، دیگر آیاتِ کریمہ اور متعدّد احادیثِ مبارکہ میں شانِ اہلبیت نہایت وضاحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ اس آیت کو بھی عظمتِ اہلبیت پر محمول کیاجاسکتا ہے، لیکن یہ سید المرسلین ﷺ کے شایانِ شان نہیں ہے کہ آپ کوئی صلہ مانگیں، اس توجیہ کی گنجائش یقینا موجود ہے اور اس پر بعض روایات دلالت بھی کرتی ہیں۔ لہٰذا یہ توجیہ بھی "حَسَن" ہے اور ہم اس کو رد نہیں کرتے، لیکن اس کے مقابلے میں دوسری توجیہ "اَحسَن" ہے۔

علامہ غلام رسول سعیدی نے اس معنی کی بہترین تاویل کی ہے جس سے سارے اشکالات رفع ہوجاتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

"قرآنِ مجید میں جس اجر کی نفی ہے، اس سے معروف اجر مراد ہے، یعنی مال ودولتِ دنیا، جب کہ اس آیت میں جس اجر کو جائز قرار دیا گیا ہے، وہ ہے: "آپ کے قرابت داروں سے محبت کرنا، اُن کی تعظیم کرنا اور اُن کے ساتھ نیک سلوک کرنا"۔ رہا یہ سوال کہ اپنے اقارب کے ساتھ محبت کرنے اور اُن کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی تلقین اقربا پروری ہے اور یہ نبی ﷺ کے شایانِ شان نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ نے یہ از خود نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرمایا ہے، سو آپ پر اعتراض بالواسطہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے۔ دوسرا یہ کہ اس میں نبی ﷺ کا شرف اور فضیلت ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کے صحابہ کو یہ خصوصیت عطا کی کہ بعد کا کوئی مسلمان کتنی ہی عبادت کیوں نہ کرلے، وہ صحابی کے اُس مرتبے کو نہیں پہنچ سکتا، جس نے ایمان کے ساتھ آپ کو دیکھا اور ایمان پر ہی اس کا خاتمہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ازواج کو بھی خصوصیت عطا فرمائی کہ کوئی خاتون کتنی ہی عابدہ زاہدہ ہو، وہ آپ کی ازواج کے مرتبے کو نہیں پاسکتی، کیوں کہ وہ سب مومنوں کی مائیں ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کے اہلِ بیت کو یہ عزت و خصوصیت عطا فرمائی ہے کہ ان کی محبت کو امت پر واجب کردیا، ان پر صدقاتِ واجبہ کو حرام قرار دیا اور ہر نماز میں اُن پر صلوٰۃ بھیجنے اور ان کے لیے برکت کی دعا کرنے کو مقرر رکھا۔" (تبیان القرآن، ج:۱۰، ص:۵۸۷، بتصرف واضافہ)

"مَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی" کا تیسرا معنی "تَقَرُّبْ اِلَی اللہ" ہے، جو کہ اس حدیث سے ثابت ہے:

"آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے تمھیں جو ہدایت اور (حق کی) روشن نشانیاں دیں، اس پر میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، سوائے اس کے کہ تم اللہ سے محبت کرو اور اس کی اطاعت کرکے اس کا تقرُّب حاصل کرو۔" (المعجم الکبیر: ۱۱۱۴۴)

الفرقان: ۵۷ بھی اس معنی کی تائید کرتی ہے، علامہ غلام رسول سعیدی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"یہ اعتراض نامناسب ہے کہ دیگر آیات میں تبلیغِ رسالت پر اجر کرنے کی نفی ہے اور اس آیت میں اثبات ہے، کیونکہ اجر دنیا کے طلب کی نفی کی گئی ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ کی قُربت و رضا کا تعلق اجرِ آخرت سے ہے۔ اس پر اقربا پروری کا اطلاق نہیں ہوتا، اس لیے اس آیت کی یہ سب سے عمدہ تفسیر ہے۔ گویا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے جو تمھیں اللہ کا پیغام پہنچایا اور تبلیغ کی مشقت اٹھائی ہے، اس کا میں تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا، سوائے اس اجرِ آخرت کے جو تمھارے اپنے مفاد میں ہے کہ تم اللہ کی توحید اور اُس کی اطاعت سے محبت رکھو اور ہمیشہ اس کے احکام پر عمل کرتے رہو، جن کاموں سے اس نے منع کیا ہے ان کے قریب نہ جاؤ۔ جو شخص اللہ کی اطاعت کرکے اُس کا قرب حاصل کرے، اُس سے محبت رکھو، اس لیے کہ انسان صرف اپنے محبوب ہی سے نہیں بلکہ اس کے مُحِب سے بھی محبت کرتا ہے۔ پس جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا، وہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے والا ہوگا اور اس آیت کے عموم میں داخل ہوگا کہ میں تبلیغِ رسالت کی مشقت پر صرف اس اجر کا طالب ہوں کہ تم اللہ کے قرب و رضا کو اپنے لیے وسیلۂ نجات بناؤ۔"

(تبیان القرآن، ج:۱۰، ص:۵۸۷-۵۸۸، بتصرف)

جیساکہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ اگر "اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی" سے اہلِ بیت اطہار کی محبت ہی بطورِ اجر مراد ہو، تو ہم اس کی نفی نہیں کرتے صرف اتنی بات کہتے ہیں کہ "تَقَرُّبْ اِلَی اللہ" والی تفسیر احسن ہے اور اس پر کوئی عقلی اشکال وارد نہیں ہوتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ "اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی" کلماتِ قرآنی ہونے کے سبب "قطعی الثبوت" ہیں، لیکن ان کا مصداق "قطعی الدلالۃ" نہیں بلکہ "ظنی الدلالۃ" ہے۔ لہٰذا اگر اس سے اللہ تعالیٰ کی مراد آپ ﷺ کے قرابت داروں ہی کی محبت ہے، تو علامہ غلام رسول سعیدی کی سطورِ بالا میں بیان کردہ توجیہ اَحسن ہے اور یہ توجیہ میں نے کسی اور تفسیر میں نہیں دیکھی اور اگر اس سے اللہ تعالیٰ کی مراد "تَقَرُّبْ اِلَی اللہ" ہے، تو پھر المعجم الکبیر میں حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت کی بیان کردہ حدیث اَحسَن توجیہ ہے اور اس پر کوئی عقلی اشکال بھی وارد نہیں ہوتا۔ ☆☆☆

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ دین/سوال آپ بھی کرسکتے ہیں

# آپ کے مسائل

مفتیِ اشرفیہ مفتی **محمد نظام الدین رضوی** کے قلم سے

## موبائل کی خرید و فروخت کی حیثیت

موبائل کی خرید و فروخت کی شرعی حیثیت واضح فرمائیں۔

### الجواب

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

موبائل کی خرید و فروخت شرعاً جائز و درست ہے اس پر مسلمانانِ عالم اور خواص و عوام کا تعامل ہے۔

یہ ایک خاص قسم کی مشین ہے جس کے ذریعے کچھ پیغامات آتے اور بھیجے جاتے ہیں۔ یا کچھ مناظر دیکھے جاتے یا محفوظ کیے جاتے ہیں۔ اور یہ سب کام استعمال کرنے والے کے ہوتے ہیں۔ موبائل کا اپنے قصد واختیار سے اس میں کوئی کردار نہیں ہوتا۔ وہ تو ایک بے جان آلہ ہے جو نہ خود گناہ ہے، نہ گناہ کے لیے متعیّن، نہ اس کے پارٹس اور اجزا میں کوئی شرعی خرابی یا قباحت، جیسے قلم، ٹائپنگ مشین، فوٹو کاپی مشین۔ ان میں سے ہر ایک آلۂ مطلقہ ہے۔ اور ان کی خرید و فروخت جائز ہے جس پر مسلمانوں کا تعامل ہے۔ یہی حال آج کے زمانے میں موبائل کا بھی ہے۔ ارشادِ باری ہے: ”اَحَلَّ اللهُ الْبَيْعَ“ اللہ نے بیع کو حلال فرمایا۔

(قرآن حکیم: سورۃ البقرہ، ۲، آیت: ۲۷۵)

اور حدیث میں ہے:

مَا رَاٰهُ الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ حَسَنٌ۔

مسلمان جو کام اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

(بدائع الصنائع للكاساني، كتاب الصلاة، باب الأذان، فصل التثويب، ج: ١، ص: ٣٦٧ بركات رضا)

ہاں! اس کا زیادہ استعمال مُضرِ صحت ہے لہٰذا بقدرِ ضرورت گفتگو یا میسیج وغیرہ پر اکتفا کرنا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

## گارنٹی یا وارنٹی کی شرط پر موبائل فون خریدنا

### الجواب

گارنٹی یا وارنٹی کی شرط پر موبائل کی خرید و فروخت کا حکم کیا ہے؟

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

گارنٹی یا وارنٹی کی شرط پر بھی موبائل کی خرید و فروخت جائز ہے۔ گارنٹی یا وارنٹی کی شرط خریدار کی طرف سے ہو جس کے بدلے میں اس کی طرف سے کوئی معاوضہ نہ ہو، ساتھ ہی اس شرط پر عوام و خواص کا تعامل بھی نہ ہو تو وہ بیع فاسد و ناجائز ہوتی ہے۔ مگر یہاں ایسا کچھ بھی نہیں۔ یہاں وارنٹی یا گارنٹی خود بیچنے والا دیتا ہے اور بغیر کسی سروس چارج (عوض) کے اپنی سروس (مرمت) کا عہد کرتا ہے، یا بلا عوض پرانے موبائل کی واپسی پر نیا موبائل دینا منظور کرتا ہے۔ اس سے خریداروں کی رغبت اور خواہش زیادہ ہوتی ہے اور موبائل زیادہ فروخت ہوتے ہیں۔ بیچنے والا گارنٹی یا وارنٹی کی پیش کش کر کے فی الواقع اپنا حق (یعنی مرمت کی اجرت، یوں ہی پرانے موبائل کے عوض بغیر کسی اضافی رقم کے نیا موبائل دینا) نفعِ کثیر کے پیشِ نظر چھوڑ دیتا ہے۔ اور اپنا حق کسی غرضِ صحیح کے لیے چھوڑنا جائز ہے پھر اس پر عوام و خواص کا تعامل بھی ہے اور اس طرح کی شرط تعامل کی وجہ سے جائز ہو جاتی ہے، اس لیے گارنٹی یا وارنٹی کی پیش کش یا شرط کے ساتھ موبائل کی خرید و فروخت جائز و درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

## نقد اور اُدھار کی صورتوں میں الگ الگ قیمت متعیّن کرنا

نقد اور اُدھار کی صورتوں میں موبائل کی الگ الگ قیمت متعیّن کرنا کیسا ہے؟

### الجواب

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

نقد اور اُدھار کی صورتوں میں موبائل کا الگ الگ دام متعیّن کرنا جائز ہے۔ ہدایہ میں ہے:

”أَلَا يُرٰى أَنَّهٗ يُزَادُ فِي الثَّمَنِ لِأَجْلِ الْأَجَلِ“

(الهداية ج:٣، ص: ٨٠، باب المرابحة والتولية مجلس البركات)

اُدھار کی وجہ سے دام بڑھا دیا جاتا ہے۔اور یہ بہت پہلے سے مسلمانوں کا معمول ہے۔اور شرعا اجازت ہے کہ فریقین باہمی رضامندی سے جو دام چاہیں مقرر کرلیں۔یہاں تک کہ کسی نے باہمی رضامندی سے کاغذ کا ایک ٹکڑا ہزار روپے میں بیچا تو بھی جائز ہے۔ہاں یہ ضروری ہے کہ نقد بیچنا چاہے تو صرف نقد بیچے،اس کے ساتھ اُدھار نہ شامل کرے،یا ادھار بیچنا چاہے تو صرف ادھار بیچے، اس کے ساتھ نقد کا کوئی ذکر نہ ہو۔مثلا نقد لینے والے سے کہے "میں نے تمھارے ہاتھ یہ موبائل دس ہزار روپے میں بیچا" اور ادھار خریدنے والے سے کہے کہ "میں نے تمھارے ہاتھ یہ موبائل ایک ماہ کے ادھار پر دس ہزار پانچ سو میں بیچا" یہ جائز ہے۔

یوں نہ کہے کہ "تم یہ موبائل نقد لو تو دس ہزار میں اور اُدھار لو تو دس ہزار پانچ سو میں تمھارے ہاتھ بیچا" یہ صورت ناجائز ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس سے ممانعت فرمائی ہے۔

کلمات حدیث یہ ہیں: عن أبي هريرة قال: نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ.

(جامع الترمذی ج:۱،ص:۱۴۷،ابواب البیوع،مجلس البرکات۔)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک بیع میں دو بیع کرنے سے منع فرمایا۔واللہ تعالیٰ اعلم.

## قسطوں پر موبائل فون خریدنا کیسا ہے؟

قسطوں پر موبائل کی خرید وفروخت کے احکام بیان فرمائیں۔

### الجواب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

**(الف):** قسطوں پر موبائل کی خرید وفروخت جائز ہے۔اگر دام متعیّن کرکے اس کی ادائگی کے لیے الگ الگ میعاد مقرر کردی جائے۔واللہ تعالیٰ اعلم

**(ب)** اور اگر طے شدہ دام کے علاوہ الگ سے میعاد کا معاوضہ مقرر کیا جائے مثلاایک مہینہ کی میعاد ہو تو دس روپے بڑھا دیے جائیں اور دو مہینہ کی میعاد ہو تو بیس روپے زیادہ کردیے جائیں۔یہ ناجائز ہے کہ یہاں دس یا بیس روپے خاص "میعاد" کا معاوضہ ہیں،ان کے مقابل موبائل یا اس کا کوئی جز نہیں ہے اور میعاد کا معاوضہ سود ہے۔اس کے برخلاف اُدھار بیع میں جو کچھ دام طے ہوتا ہے وہ اصل سامان مثلاً موبائل کے مقابل ہوتا ہے،ہاں!اُدھار کے پیش نظر یہ دام نقد کے بہ نسبت کچھ زیادہ ہوتا ہے جو فی الواقع موبائل کا ہی دام ہوتا ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم

## چوری کیا ہوا موبائل فون خریدنا یا بیچنا کیسا ہے؟

چوری کیا ہوا موبائل بیچنا یا خریدنا کیسا ہے؟

### الجواب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

چوری کیا ہوا موبائل بیچنا حرام ہے۔اور خریدار کو معلوم ہو تو اسے خریدنا بھی حرام ہے۔اور اگر معلوم نہ ہو تو بھی مشکوک آدمی کے ہاتھ سے نہ خریدے۔اسی میں اپنے دین اور عزت کی حفاظت ہے۔ اور اگر اس نے یہ سمجھ کر خرید لیا کہ موبائل بیچنے والے ہی کا ہے تو گنہگار نہ ہوگا۔درر،غرر اور رد المحتار کی عبارتوں سے یہی عیاں ہے لیکن موبائل کا اصل مالک اپنا استحقاق ثابت کردے تو مستحق،مشتری کی رضامندی سے موبائل یا اس کی قیمت واپس لے گا۔پھر یہ خریدار اپنے بائع سے دام واپس لے سکتا ہو تو لے لے۔واللہ تعالیٰ اعلم

## کیا "ہیلو" کہنا جائز ہے؟

موبائل یا فون پر بات شروع کرنے سے پہلے "ہیلو" کہنا کیسا ہے؟مسلمانوں کو کیا طریقہ اپنانا چاہیے؟

### الجواب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

موبائل یا ٹیلی فون پر بات شروع کرنے سے پہلے ہیلو(hello) کہنا سنت نبوی اور شعار اسلام کے خلاف ہے۔فون پر ملاقات کا وہی حکم ہے جو آمنے سامنے ملاقات کا ہے۔لہٰذا جب کسی قرینے سے محسوس ہو جائے کہ آپ کا مخاطب آپ کا دینی بھائی ہے تو "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُه" کہیں اور وہ بھی انھی الفاظ میں اس کا جواب دے۔آج کل ہیلو کی کثرت ہوگئی ہے۔کچھ لوگ اس کو تکیہ کلام کی حد تک بولنے لگے ہیں اس سے احتراز کیا جائے اور سنت نبوی عام کی جائے۔اور اگر یہ محسوس نہ ہو سکے کہ مخاطب کون ہے تو فرشتوں کی نیت سے سلام کے یہ کلمات کہیں۔ہر آدمی کے ساتھ کراماً کاتبین دو فرشتے ہوتے ہیں،اور ان کو سلام کرنا بلا شبہہ جائز ہے پھر اگر مخاطب اپنا نہ ہو تو مزید سلام کی حاجت نہیں اور اگر اپنا ہو تو ایک بار اس کی نیت سے بھی سلام کرلیں تاکہ ملاقات کی سنت ادا ہو۔واللہ تعالیٰ أعلَم

# فرقہ وارانہ فسادات

## تجزیہ اور حل

ڈاکٹر غلام زرقانی قادری

**ہمارے تجربات** شاہد ہیں کہ جب ہم کسی سے یہ کہتے ہیں کہ فلاں شہر کے بازار میں دس ہزار روپے ماہانہ کرایہ پر ایک دکان مل رہی ہے ۔ آپ اسے حاصل کرلیں اور کوئی کاروبار کرلیں ، بہت مناسب رہے گا، توجواب میں وہ شخص، خواہ خونی رشتہ دار ہویا انتہائی قریبی ساتھی، وہ صرف ہمارے کہہ دینے سے وہاں نہیں چلا جاتا اور نہ ہی کرایہ پر اسے حاصل کرکے اپنی تجارت شروع کرتا ہے، بلکہ اگر ہم بہت اصرار کریں ، تووہ کئی طرح کے ملاحظات ہمارے سامنے رکھ دیتا ہے۔ مثال کے طور پر؛

☆پہلے مجھے وہاں جاکر علاقے کا جائزہ لینا ہے ۔ ☆یہ معلوم کرنا ہے کہ کس قدر لوگوں کی آمد ورفت وہاں بازار میں ہوتی ہے ؟ ☆کس قسم کا کاربار وہاں فائدہ مند رہے گا؟ ☆آیا مجھے اس قسم کے کاروبار کا کتنا تجربہ ہے ؟ ☆پھر اس کاروبار کے لیے مال کہاں دستیاب ہے اور اس پر کس قدر لاگت آئے گی؟ ☆پھر خود وہاں رہنے کے لیے کرایہ پر مکان کی تلاش ہوگی۔ ☆وہاں خوردونوش اور رہائش کے اخراجات کا تخمینہ لگانا ہوگا۔ ☆اور یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ سارے اخراجات کے بعد کس قدر بچت ہورہی ہے ؟ ☆اور وہ بچت میری محنت وتگ ودو کے مساوی ہے یا نہیں ؟

غرض ایک چھوٹی سی تجارت شروع کرنے کے حوالے سے دیے گئے مشورہ پر عمل کرنے کی بجائے، وہ دسیوں طرح کے ملاحظات اور سوالات پیش کردیتا ہے۔

اچھا، پھر اگر اسے یہ کہا جائے کہ تم بالکل فکر نہ کرو، اللہ تعالیٰ رحیم ہے، کریم ہے، رزاق ہے۔ اور تم تو بڑے نیک انسان ہو، نمازی اور پرہیز گار ہو، بس اللہ تعالیٰ پر مکمل بھروسہ رکھتے ہوئے کام شروع کردو، مجھے امید قوی ہے کہ تم کامیاب رہوگے۔

تووہ جواب میں کہتا ہے کہ ہم سارے اقدامات اللہ تعالیٰ ہی کے بھروسہ پر کرتے ہیں ، لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب کریم ﷺ ہی نے توہمیں عقل وشعور کے استعمال کرنے کی بھی ترغیب دی ہے ۔ ہم اشرف المخلوقات اسی لیے توکہے جاتے ہیں کہ اپنے مسائل حل کرنے کے لیے ماضی اور حال کے حالات وواقعات کا جائزہ لے کر مستقبل کے لیے لائحہ عمل تیار کرتے ہیں۔

یہی وہ مقام ہے، جہاں چند لمحات کے لیے ٹھہر جائیے اور اپنے ضمیر سے پوچھیے:

دو کوڑی کی ایک ذاتی دکان کے آغاز کے لیے اپنے قریبی دوست کے مشورے پر عمل کرنے کے پہلے زمینی حالات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں ، حتی کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی غیبی نصرت وحمایت کا واسطہ دے کر اسے مجبور کرے ، جب بھی کوئی عملی اقدام نہیں ہوتا، اور ملی مسائل کے حل کے لیے ہم زمینی حقائق پیش نگاہ رکھے بغیر کس طرح ایک سے بڑھ کر ایک مشورے دیتے نہیں تھکتے ؟

کیا ملت اسلامیہ کی حفاظت وصیانت اور وقار وتمکنت کی حیثیت ہماری دو کوڑی کی دکان سے بھی کم ہے ؟ اور

کیا جماعتی مستقبل کی قیمت ہمارے ذاتی مستقبل کے مقابلے کسی درجہ میں نہیں ہے ؟

غیر جانبداری کے ساتھ غور کیجیے تواس کا جواب سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ وہاں معاملہ ہمارے ''ذاتی مفاد ات '' سے تعلق رکھتا ہے اور یہاں بات '' ملی مفادات '' کی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ ذاتی مفادات کے معاملے میں ہم بہت ہوشیار اور چالاک ہیں، جب کہ ملی مفادات کی ہماری نگاہ میں کوئی وقعت نہیں ہے !

### ناقابل انکار زمینی حقائق :

میری تمہیدی کہانی سے یہ بات دوپہر کی دھوپ کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ ہمیں کسی مسئلہ پر اظہار خیال سے پہلے چاہیے کہ مسئلہ سے متعلق زمینی حقائق سمجھنے کی کوشش کریں اور پھر اسی آئینے میں مناسب حل کی طرف پیش قدمی کریں۔

خیال رہے کہ نہ صرف یہ طریقہ روئے زمین پر بسنے والے اہل علم ودانش کے یہاں رائج ہے، بلکہ ہماری مذہبی تعلیمات بھی یہی ہیں۔ کبھی ظلم وستم کے باوجود طاقت کے استعمال سے گریزاور کبھی چھوٹی سی ناانصافی کے خلاف صف آرائی، کبھی قبضے میں آئے ہوئے قیدیوں کی رہائی اور کبھی خود سپردگی کرنے والے ظالموں کا قتل، کبھی گھر میں بیٹھ کر دشمنوں سے مقابلہ اور کبھی ان کے گھروں میں گھس کر شب خون، غرض یہ کہ ایک ہی مسئلہ کے حوالے سے ہمارے مختلف اقدامات صرف زمینی حقائق کے پس منظر ہی کی وجہ سے ہیں۔

اس لیے ہندوستان میں فرقہ وارانہ فسادات کے تعلق سے ہمیں چاہیے کہ سب سے پہلے زمینی حقائق سمجھنے کی کوشش کریں۔

جہاں تک میں نے گذشتہ دس سالوں سے غور وخوض کیا ہے، مندرجہ ذیل چند ملاحظات پر توجہ رکھنی بہت ضروری ہے۔

## ۱۔عام حالات میں اکثریتی فرقہ اور اقلیتی طبقہ:

گذشتہ ستر سالوں سے تجربات شاہد ہیں کہ پورے ملک میں، خواہ علاقے میں مسلم اکثریت ہو، یا ہندو، ہر جگہ عام حالات میں دونوں فرقوں کے لوگ باہمی امن وسکون کے ساتھ اپنے شب وروز گزارتے ہیں، حتی کہ ایک دوسرے کی خوشی اور غم میں بھی شرکت کرتے ہیں۔ کوئی بیمار ہوجائے، تو ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ شادی ہو تو ایک دوسرے کے یہاں شرکت کرتے ہیں اور ایک دوسرے پر آنے والی مشکل گھڑی میں بھی دست تعاون دراز کرنے سے پیچھے نہیں ہٹتے۔ اور گو کہ مسلمانوں کے لیے ان کے مذہبی تہواروں میں شرکت کی قطعی اجازت نہیں ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ کہیں کہیں دونوں فرقے کے لوگ ایک دوسرے کے تہواروں میں بھی شرکت کرتے ہیں۔

اور پھر عام حالات میں امن وسکون اس حد تک رہتا ہے کہ دن کے اجالے میں بھی ایک دوسرے کے محلوں میں بغیر کسی تکلف کے آمد ورفت جاری رہتی ہے اور رات کے سناٹے میں بھی، حتی کہ اگر آدھی رات کے بعد بھی کسی کے اکثریتی علاقے میں گاڑی خراب ہوجائے، یا علاج کے لیے ہسپتال جانے کی ضرورت پڑجائے، تو ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہوتی ہے۔

ٹھیک اسی طرح عام حالات میں ایک دوسرے کے ساتھ تجارت اور سودا سلف لینے، اور ایک دوسرے کو اپنے یہاں ملازمت دینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہوتا۔

نیز مساجد کے باہر جھاڑ پھونک کے لیے ہندو خواتین اپنے بچے گود میں لیے ہوئے کھڑی دکھائی دیتی ہیں۔ اسی طرح مسلم عاملوں کے یہاں بھی ہندو اپنے مسائل لے کر جاتے ہیں اور ان کی ایک بہت بڑی تعداد مزارات کے سامنے بھی اپنی عقیدتوں کا خراج پیش کرتے ہوئے عام طور پر دیکھی جاسکتی ہے۔

## ۲۔اشتعال انگیزی:

یہ ایک بہت بڑی زمینی حقیقت ہے کہ عام حالات میں تو دونوں فرقے نہایت ہی امن وسکون کے ساتھ رہتے ہیں، لیکن انھیں ایک دوسرے کے خلاف اٹھ کھڑے کرنے میں جو وجہ فعال کردار ادا کرتی ہے، وہ ہے اشتعال انگیزی۔

سیاسی لیڈر اپنے ذاتی مفادات کے لیے ایسی زہریلی تقریریں کرتے ہیں کہ جن سے ایک طبقہ انھیں ووٹ دینے کے لیے کمربستہ ہوجائے۔ اسی طرح بعض سماجی نمائندین بھی اپنی لیڈری چمکانے کے لیے زہریلے بیانات اور دھمکی آمیز خطابات کرتے ہیں، جن سے علاقے کی فضا مسموم ہوجاتی ہے۔ اور کہیں کہیں مذہبی رہنما بھی شعلہ بیانی کرجاتے ہیں، جو باہمی منافرت کے بھڑکانے کا سبب بن جاتی ہے۔

غیر جانبداری کے ساتھ آپ تجزیہ کریں تو یہ تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ خواہ سیاسی لیڈر ہوں، یا مذہبی، یا سماجی، اشتعال انگیزی عام طور پر ہندوؤں کی طرف سے ہوتی ہے۔ تاہم برائے نام ہی سہی، بسا اوقات ہمارے لوگ بھی غصہ میں آکر ایسی باتیں کرجاتے ہیں، جو دونوں فرقہ کے درمیان کشیدگی کا باعث بن جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ اشتعال انگیزی میں ننانوے فیصدی حصہ غیروں کا ہے اور کسی حد تک ایک فیصدی حصہ مسلمانوں کا بھی ہے۔

## ۳۔پولس کا کردار:

اس حقیقت سے قطعی مجال انکار نہیں کہ جب فرقہ وارانہ فسادات بھڑک اٹھتے ہیں، تو پولس نہ صرف خاموش تماشائی بنی رہتی ہے، بلکہ بلوائیوں کے شانہ بشانہ مسلمانوں پر ظلم وستم اور قہر وبربریت کا مظاہرہ کرنے میں پیچھے نہیں رہتی، حتی کہ عینی شاہدین بتاتے ہیں کہ عام طور پر پولس بلوائیوں کو قتل وخون پر اکساتی بھی ہے اور انھیں مزید زیادتی کرنے کی تجویز بھی دیتی ہے۔ مثال کے لیے بھاگل پور، جمشید پور سہسرام، گجرات، میرٹھ اور بھیونڈی وغیرہ کے ہولناک فسادات کی لرزہ خیز داستانیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

اور پھر ابھی دہلی میں ہونے والے حالیہ فسادات کی وائرل ہونے والی ویڈیو کلپس تو صاف بیان کر رہی ہیں کہ مسلمانوں پر پتھر برسانے والے بلوائیوں کے ساتھ ساتھ پولس بھی پتھر پھینک رہی ہے، گولیاں چلا رہی ہے اور دکان، مکان اور گاڑیاں نذر آتش کر رہی ہے۔ کچھ مظلوم تو یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ جب انھوں نے پولس سے مدد کی فریاد کی، تو جواب میں انھوں نے ناشائستہ کلمات کہتے ہوئے جھڑک دیا۔ ایک کلپ ایسی بھی ہے کہ جس میں پانچ چھ مسلمان سڑک کے کنارے تڑپ رہے ہیں اور پولس ان سے قومی ترانہ گانے کا مطالبہ کر رہی ہے۔

اسی کے ساتھ یہ بھی ایک عام حقیقت ہے کہ فساد کے دوران طبی امداد پہنچانے میں بھی پولس جان بوجھ کر سستی کا مظاہرہ کرتی ہے، تاکہ زخمی مسلمان کراہ کراہ کر اپنی جان دے دیں۔ نیز کہیں کہیں ایسے افسوسناک واقعات کی اطلاعات بھی ہیں کہ پولس نے گھر میں گھس کر ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کے ساتھ نازیبا حرکتیں کی ہیں۔

## ۴۔ فساد کے نقصانات:

یہ دوپہر کی دھوپ کی طرح ایک روشن حقیقت ہے کہ ہندوستان کے فرقہ وارانہ فسادات میں زیادہ نقصانات مسلمانوں کے ہوتے ہیں، جب کہ ہندوؤں کے نقصانات برائے نام ہوتے ہیں۔ اور یہ صرف جانی نہیں، بلکہ مالی تخمینہ کے لیے اعتبار سے بھی ہے۔ مثال کے لیے ایک بار پھر درخواست کروں گا کہ آزادی کے بعد سے اب تک ہونے والے سارے تاریخی فسادات کا جائزہ لے لیجیے، دونوں فرقوں کے درمیان نقصانات کا تناسب نوے اور دس فیصدی کے درمیان ہوگا۔ یعنی نوے فیصدی جانی اور مالی نقصانات مسلمانوں کے اور پانچ سے دس فیصدی نقصانات ہندوؤں کے۔

اور فرض کریں اگر کہیں کسی علاقے میں مسلمانوں نے ہندوؤں کو نقصانات سے دوچار بھی کر دیا، تو فساد کے بعد تحقیقات کی آڑ میں پولس کثرت سے مسلمانوں کے خلاف جھوٹے مقدمات قائم کر کے، انھیں گرفتار کر لیتی ہے اور پھر برسوں مقدمات چلتے رہتے ہیں۔ اس طرح گرفتار شدہ مسلمان اگر پانچ دس سالوں کے بعد باعزت بری بھی ہو جائے، تو اس کے غائبانے میں ہونے والے نقصانات کی تلافی تاعمر نہیں ہو سکتی۔

اس طرح آپ اعتراف کیجیے کہ ہندوستان میں ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات میں سرتاسر نقصان مسلمانوں ہی کا ہوتا ہے۔ بڑی تعداد میں مسلمان شہید ہوتے ہیں، کثرت سے مسلمان ہی زخمی ہوتے ہیں اور مکانات اور دکانیں مسلمانوں ہی کی نذر آتش بھی ہوتی ہے اور لوٹی بھی جاتی ہیں۔ ساتھ مسلمانوں ہی کی عبادت گاہیں، مزارات اور قبرستانوں کی بے حرمتی بھی کی جاتی ہے۔

## ۵۔ مجرموں کو سزا:

اس حوالے سے یہ کہنا بہت کافی ہے کہ اول تو ہندوؤں میں صاف دکھائی دینے والے مجرمین گرفتار ہی نہیں کیے جاتے، اور اگر دنیا کو دکھانے کے لیے گرفتاری ہو بھی گئی، تو پولس ان کا مسئلہ اس طرح سے عدالت کے سامنے رکھتی ہے، کہ اثبات جرم ہی نہ ہو پائے۔

دوسری طرف مسلم آبادیوں سے صرف شک کی بنیاد پر گرفتار ہونے والے افراد کے خلاف اس طرح کیس مضبوط کر دیا جاتا ہے کہ جیسے وہی ظالم ہوں۔ کیا بات ہے جناب کہ ظالم بھی مسلمان اور مظلوم بھی مسلمان۔ قاتل بھی مسلمان اور مقتول بھی مسلمان۔

اس پس منظر میں دہلی کے حالیہ فساد کو سامنے رکھیے۔ کانگریس کی سابقہ کاؤنسلر عشرت جہاں اور عام آدمی پارٹی سے تعلق رکھنے والے کاؤنسلر طاہر حسین کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اول الذکر پر الزام ہے کہ انھوں نے بھڑکاؤ بیانات دیے اور دوسرے پر الزام ہے کہ انھوں نے اپنے گھر کی چھت پر پٹرول بم اور پتھروں کا ڈھیر جمع کر رکھا تھا۔

دوسری طرف بی جے پی سے تعلق رکھنے والے مرکزی وزیر انوراگ ٹھاکر ایک انتخابی ریلی میں کہتے ہیں کہ "دیش کے غداروں کو" اور مجمع سے جواب میں آواز آتی ہے کہ "گولی مارو سالوں کو"۔ اس سے اشارہ مسلمانوں کے طرف تھا۔ ایک اور بی جے پی سے منتخب ہونے والے ایم پی پرویش ورما کہتے ہیں کہ شاہین باغ والے تمھارے گھروں میں گھسیں گے اور تمھاری بہن، بیٹیوں کے ساتھ زنا بالجبر کریں گے۔

بی جے پی کے ٹکٹ پر صوبائی اسمبلی کے لیے کھڑے ہونے والے کپل مشرا نے انتخابات سے پہلے کہا تھا کہ فلاں تاریخ کو دہلی میں ہندوستان اور پاکستان کے درمیان کرکٹ میچ ہوگا۔ نیز فسادات سے کچھ ہی دیر پہلے، فساد کے مرکزی مقام پر کھڑے ہو کر وہ اپنے حمایتیوں کے ساتھ پولس کی موجودگی میں دھمکی دے رہے ہیں کہ پولس تین دنوں کے اندر سی اے اے کے خلاف احتجاج کرنے والے مسلمانوں سے سڑک خالی کروالے، ورنہ صدر ڈونالڈ ٹرمپ کے دورہ ہند سے واپس جانے کے بعد وہ اور علاقے کے لوگ، خود آگے بڑھ کر سڑک خالی کروالیں گے۔

اندازہ لگائیے کہ وہ مسلمان جن کے بارے میں کسی کے حاشیہ

ذہن میں بھی نہیں تھا کہ انھوں نے فسادات بھڑکانے میں کسی طرح کا بھی کردار ادا کیا ہے، انھیں تو جیل کی سلاخوں کے پیچھے بھیج دیا گیا ہے، جب کہ متذکرہ بالا تینوں ہندو سیاسی لیڈر اب تک آزاد گھوم رہے ہیں۔ اسی سے سمجھ لیجیے کہ ایک جمہوری ملک میں کس طرح ایک خاص طبقہ کے خلاف زیادتی ہوتی رہی ہے اور اب تک ہو رہی ہے۔

## ٦۔ عدالت کا کردار:

ابھی میں نے ضمناً تذکرہ کیا ہے کہ فرقہ وارانہ فسادات میں عام طور پر اصل مجرم دانستہ بچائے جاتے ہیں اور مظلوم تختہ دار پر چڑھا دیے جاتے ہیں۔

میں یہ نہیں کہتا کہ عدالت سے انصاف کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے، یا سارے منصف فرقہ پرست ہو گئے ہیں، بلکہ مدعائے سخن صرف یہ ہے کہ پولس کبھی تو جان بوجھ کر مجرموں کے خلاف سامنے دکھائی دینے والے شواہد و براہین کو پس پشت ڈال دیتی ہے، جس کے نتیجے میں اثبات جرم ہی نہیں ہو پاتا۔ اور بسا اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ انتظامیہ اپنے قریبی مجرمین کو بچانے کے لیے طرف دار منصف مقرر کر دیتی ہے۔

دہلی فساد کے حوالے سے تازہ ترین مثال ہمارے سامنے ہے۔ دہلی ہائی کورٹ کے جج عزت مآب جناب مرالی دھرنے دہلی فساد کے متعلق سماعت کرتے ہوئے دہلی پولس کو زبردست پھٹکار لگائی کہ انھوں نے متذکرہ تینوں بی جے پی لیڈروں کی اب تک ایف آئی آر نہیں کاٹی ہے، تو فساد میں ان کے کردار کی تحقیقات کیونکر ہو سکے گی۔ اور یہ بھی کہا کہ دہلی کو ہم دوبارہ ۱۹۸۴ء نہیں بننے دیں گے، جب کہ وزیر اعظم اندرا گاندھی کی موت کے بعد بڑے پیمانے پر دہلی میں سکھ مارے گئے تھے۔ انھوں نے دوسرے دن صبح کی تاریخ دوبارہ سماعت کے لیے مقرر کی۔ تاہم رات تک خبر آگئی کہ ایوان صدر کی طرف سے جناب مرالی دھر کا دہلی ہائی کورٹ سے تبادلہ کیا جاتا ہے۔ اب وہ پنجاب اور ہریانہ کے ہائی کورٹ کے جج کے عہدہ پر مقرر کیے جاتے ہیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ دوسری صبح جب یہ مقدمہ عدالت میں متعین کیے جانے والے نئے منصف تک پہنچا، تو انھوں نے کہا کہ حالات ابھی ساز گار نہیں ہیں، اس لیے متذکرہ تینوں سیاسی لیڈروں کے خلاف ایف آئی آر فی الحال نہیں کاٹی جا سکتی۔ اور ساتھ ہی انھوں نے اگلی سماعت کی تاریخ اپریل کے مہینے میں مقرر کر دی، جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ دانستہ طور پر یہ چاہتے ہیں کہ یہ معاملہ ٹھنڈے بستے میں چلا جائے۔

## ۷۔ سیاسی پارٹیاں:

ملک میں اس وقت کئی مرکزی اور علاقائی سیاسی پارٹیاں موجود ہیں، جن میں دو تین کو چھوڑ کر باقی ساری پارٹیاں اپنے آپ کو سیکولر کہتے ہوئے فخر محسوس کرتی ہیں۔ ان سیکولر پارٹیوں میں سب سے بڑی کانگریس آئی ہے، جس کی کئی صوبوں میں اپنی حکومت ہے اور چند صوبوں میں علاقائی پارٹیوں کے ساتھ مل کر حکومت میں جزوی شرکت ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے ایک عمومی مفہوم پیش نگاہ رکھیے۔ کوئی شخص تجارت کرے، یا ملازمت کرے یا کچھ اور، سب کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ اس میں کامیابیوں کے عروج تک پہنچ جائے۔ ٹھیک اسی طرح سیاسی پارٹی، خواہ سیکولر ہو، یا مذہبی بنیادوں پر قائم ہوئی ہو، ہر پارٹی یہ چاہتی ہے کہ وہ حکومت کرنے کا اعزاز حاصل کرے۔

دوسری بات یہ بھی پیش نگاہ رہے کہ جمہوری ملک میں ضابطے کے مطابق جس پارٹی کے فتحیاب نمائندوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے، اسے حکومت کرنے کا موقع فراہم کیا جاتا ہے۔ اور یہ بات کہنے کی نہیں کہ فتحیاب نمائندوں کی اکثریت، عوام کے کثرت ووٹ کے عین مطابق ہوتی ہے۔ اس طرح آپ کہتے ہیں کہ عوام کی اکثریت جس پارٹی کے ساتھ ہے، حکومت اسی کے حوالے ہوتی ہے۔

اب ذرا جی کڑا کر کے یہ بھی سن لیجیے کہ عام طور پر سیکولر پارٹی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایسی پارٹی جو مذہب و ملت کی بنیاد پر شہریوں کے درمیان تفریق نہ کرے، تاہم ہندوستانی سیاست کے حوالے سے ایک تلخ حقیقت یہ ہے کہ یہاں سیکولر پارٹی کا یہ مفہوم زمیں بوس دکھائی دیتا ہے۔ یہاں زمینی حقائق کی روشنی میں سیکولر اور فرقہ پرست کا مطلب کچھ اور ہے۔ یہاں فرقہ پرست کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہندوؤں کو بھی خوش رکھے اور مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک بھی کرے، جب کہ سیکولر کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہندوؤں کو خوش رکھے اور مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک نہ کرے۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیں کہ سیکولر پارٹی اس وقت تک مسلمانوں کی حمایت کرتی ہے، جب تک اس کے کسی اقدام سے ہندوؤں کی اکثریت ناراض نہ ہو جائے۔ اور جب اسے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس کے کسی اقدام سے ہندوؤں کی اکثریت ناراض ہو جائے گی، تو اسے مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک کرنے میں کوئی مضائقہ

نہیں۔ مثال کے طور پر کانگریس پارٹی کی حکومت کو لے لیجیے۔ سپریم کورٹ میں شاہ بانو کیس کے حوالے سے مسلم پرسنل لا کو پس پشت ڈال کر ایک فیصلہ کر دیا، جس سے مسلمانوں میں بے چینی پھیل گئی اور ایسا محسوس ہونے لگا کہ ملک کے آئین میں تسلیم کیے گئے مسلم عائلی قوانین ختم ہو جائیں گے۔ پورے ملک میں مسلمانوں نے احتجاج کیا اور اس وقت کے وزیر اعظم راجیو گاندھی نے ہمارے مطالبات تسلیم کرتے ہوئے پارلیمنٹ میں ایک بل پاس کیا۔ تاہم یہ کانگریس پارٹی بابری مسجد کے حوالے سے مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک کرتی رہی، حتیٰ کہ صدیوں پرانی مسجد کی عمارت ڈھادی گئی، وہاں طاقت کے زور پر عارضی مندر کی تعمیر ہوئی اور باقاعدہ پوجا بھی شروع ہو گئی، لیکن کانگریس پارٹی چپی سادھی رہی، نہ تو فوج حرکت میں آئی، نہ پولس نے کوئی اقدام کیا اور نہ ہی عدالتوں کے ذریعہ مجرموں کو سزا ملی۔

متذکرہ دونوں مثالوں میں جو فرق ہے، وہ یہی ہے کہ پہلے مسئلہ میں چونکہ ہندوؤں کی ناراضگی کا خدشہ نہیں تھا، اس لیے مسلمانوں کے حق میں بل پاس کرکے مسئلہ حل کر دیا گیا، اور دوسرے مسئلہ میں چونکہ عدل وانصاف کے تقاضے پورے کرنے میں اکثریت کی ناراضگی کا یقینی خطرہ تھا، اس لیے اسے پس پشت ڈال دیا گیا۔

خیال رہے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ کسی بھی فرقہ پرست یا، سیکولر پارٹی کے لیے یہ اچھی بات ہے، بلکہ مدعائے سخن صرف اس قدر ہے کہ ہندوستانی سیاست میں یہی زمینی حقیقت ہے، اسے ہمیں نہ چاہتے ہوئے بھی تسلیم کرنا ہی پڑے گا۔

## ۸۔مسلم سیاسی طاقت:

یہ درست ہے کہ بعض بڑی مسلم آبادی والے صوبوں میں صوبائی اسمبلی میں چند نشستیں صرف مسلم ووٹ کی بنیاد پر جیتی جا سکتی ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسے کامیاب ہونے والے مسلم ایم ایل اے اپنے اپنے علاقوں میں ذاتی طور پر مسلم مفاد میں اقدامات تو کر جاتے ہیں، تاہم اجتماعی مسئلہ کے حوالے سے وہ اپنی برسراقتدار سیاسی پارٹی کی رائے کے پابند رہتے ہوئے، یا تو در پردہ حمایت کرتے ہیں، یا پھر خاموشی اختیار کر لیتے ہیں۔

اور اگر کامیاب ہونے والا مسلم ایم ایل اے کسی سیکولر یا مسلم پارٹی سے تعلق رکھتا ہو، تو اسمبلی میں ہونے والی بحث میں اس کا کردار صرف آواز بلند کرنے تک محدود رہتا ہے۔

اس طرح آپ کہہ سکتے ہیں کہ مسلم ایم ایل اے، خواہ کسی سیکولر پارٹی سے ہو، یا کسی مسلم سیاسی پارٹی سے، نتیجے کے اعتبار سے ہمارے بڑے اجتماعی مسائل میں کوئی قابل ذکر خدمت انجام نہیں دے پاتے۔

اور اگر بات مرکزی انتخابات کے حوالے سے کریں، تو یہ حقیقت تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ پورے ہندوستان میں صرف ۱۵ حلقہائے انتخابات ایسے ہیں، جہاں سے صرف مسلم ووٹ کی بنیاد پر سیٹیں نکالی جا سکتی ہیں۔ خیال رہے کہ ان پندرہ میں سے پانچ حلقے ایسے ہیں، جہاں مسلم رائے دہندگان کا تناسب پچاس فیصد سے کچھ زیادہ ہے، جب کہ باقی دس حلقوں میں مسلم رائے دہندگان ساٹھ فیصدی سے زیادہ ہیں۔ اس طرح پندرہ میں سے صرف دس حلقے ہی محفوظ کہے جا سکتے ہیں۔ یہاں پہنچ کر یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ۵۴۳ نشستوں والی پارلیمنٹ میں مفروضہ مسلم سیاسی پارٹی کے ذریعہ منتخب شدہ دس پندرہ نمائندے مسلمانوں پر ہونے والے ظلم و بربریت، یا اجتماعی مفادات کے خلاف ہونے والے اقدامات پر سوائے صدائے احتجاج بلند کرنے، اور کر ہی کیا کر سکتے ہیں؟

اس لیے سچی بات یہ ہے کہ ہندوستان میں کسی بھی مسلم سیاسی پارٹی کا قیام ہمارے اجتماعی مسائل کا قابل نتیجہ حل نہیں ہے۔

## ۹۔عالمی برادری:

اس حوالے سے جب ہم دنیا پر نگاہ ڈالتے ہیں، تو نہایت ہی تکلیف دہ صورت سامنے آتی ہے۔ عالمی جنگوں کے بعد اقوام متحدہ کا قیام عمل میں آیا اور ایسا محسوس ہونے لگا کہ اب دنیا تہذیب و تمدن اور عدل وانصاف کے ایک نئے عہد میں داخل ہو رہی ہے۔ اب کہیں بھی ہونے والے ظلم و ستم پر جب عالمی برادری صدائے احتجاج بلند کرے گی، تو اسے توجہ کے ساتھ سنا جائے گا اور اس کے تدارک کی کوشش کی جائے گی۔

ہائے افسوس کہ دنیا کی سب سے بڑی بین الاقوامی تنظیم بھی عملی پس منظر میں صرف اپنے اور اپنے دوست ممالک اور دوست قوموں کے مفادات کے تحفظ کا آلہ کار بن گئی۔ اپنے کریں، تو بے جا تاویلات اور پردہ پوشی، اور دوسرے کریں، تو معاشی ناکہ بندی سے لے کر عسکری حملہ اور پورے ملک کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کی روایت ایک جانی پہچانی حقیقت ہے، جس سے قطعی مجال انکار نہیں۔ مثال کے طور پر اسرائیل، برما، افغانستان، اعراق، شام، لیبیا اور یمن کے حالات سامنے رکھیں، دونوں طرح کے رویوں کی جھلکیاں آفتاب نیم روز کی

طرح نگاہوں کے سامنے ہوں گی۔

یہ تو رہا عالمی برادری کا کردار، اب ذرا اسلامی ممالک کے کردار کے حوالے سے غور کیجیے، تو محسوس ہوگا کہ یہ تو غیروں سے کہیں زیادہ گئے گزرے ہیں۔ ان میں بعض عرب ممالک تو ایسے ہیں، جہاں وزیر اعظم نریندر مودی کو اعلی ترین ملکی ایوارڈ سے نوازا جا چکا ہے، لہٰذا ان سے تو زبان سے احتجاج کرنے کی توقع بھی فضول ٹھہری۔

اور رہے دوسرے عرب ممالک، تو ان میں سے اکثر عجمی مسلمانوں کے مسائل پر چپی سادھے رہتے ہیں، خواہ برما، کشمیر اور ہندوستان یا کہیں اور علاقوں میں کچھ بھی ہو جائے، وہ اپنے عیش و آرام میں خلل پسند نہیں کرتے۔

ان کے علاوہ غیر عرب اسلامی ممالک ترکی، انڈونیشیا اور ایران کبھی کبھی ہندوستان کے مسلمانوں کے خلاف ہونے والی زیادتیوں پر آواز بلند کرتے رہتے ہیں، تاہم یہ آواز فضائے بسیط میں تحلیل ہو کر گم ہو جاتی ہے اور نتیجہ ہمیشہ صفر رہتا ہے۔

یوں آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہندوستان کے مسلمانوں پر ہونے والے ظلم وستم اور تشدد و بربریت کے خلاف غیر مسلم عالمی برادری سے کسی خیر کی توقع تو جانے دیجیے، اپنوں کی حمایت سے بھی بظاہر کسی بہتری کی امید نہیں کی جا سکتی۔ یقین نہیں آتا، تو برما کی مثال ہمارے سامنے ہے، جہاں سرکاری سرپرستی میں مسلم آبادیوں پر قہر و غضب کے بادل ٹوٹ ٹوٹ کر برسے اور بچے، بوڑھے، خواتین اور جوان ہزاروں کی تعداد میں تہ تیغ کر دیے گئے اور ہزاروں مکانات اور دکانیں زمیں بوس کر دی گئیں، تاہم عالم اسلام نے صرف آواز ہی بلند کی، کوئی عملی اقدام نہ ہو سکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بہت بڑی تعداد میں برمی مسلمان ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔

یہاں پہنچ کر کان قریب کریں تو ایک راز کی بات کہوں۔ غور کیجیے کہ جب برما جیسے چھوٹے سے غیر معروف اور غیر مفید ملک کے خلاف او آئی سی زبانی جمع خرچ سے زیادہ کچھ نہ کر سکا، تو ہندوستان جیسے بڑے ملک، جس سے کسی کا معاشی مفاد وابستہ ہے، کسی کا سیاسی مفاد اور کسی کا تجارتی مفاد، کے خلاف او آئی سی کے ممبر ممالک سے یہ توقع کیوں کر کی جا سکتی ہے کہ وہ عملی اقدامات کے ذریعہ ہندوستانی حکومت کو ظلم وستم کے سد باب پر مجبور کر سکیں گے۔

اس طرح یہ بھی اچھی طرح ذہن نشیں کر لیجیے کہ عالمی برادری سے بھی مستقبل قریب میں کسی مدد کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

## تجزیاتی مطالعہ:

پچھلے صفحات میں ہم نے چند ذیلی عناوین کے تحت ہندوستان میں مسلمانوں کے واقعی حالات سے واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ میں نے زیر بحث موضوع سے متعلق ساری جہتوں کا احاطہ کر لیا ہے، تاہم اپنے تجربات کی بنیاد پر یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ زیادہ تر پہلو ہمارے سامنے آگئے ہیں۔

آگے بڑھنے سے پہلے مؤدبانہ درخواست یہ ہے کہ گذشتہ معروضات کو نہایت سنجیدگی سے پڑھیے اور ایک بار تو اسے ہر طرح کے ذہنی دباؤ اور ملی و سیاسی وابستگی سے آزاد ہو کر ضرور پڑھیے، اس کے بعد آنے والی تجاویز پر غور کرنے کی کوشش کیجیے۔

کہتے ہیں نا کہ اگر آپ نے یہ تسلیم کیا ہے کہ ایک اور ایک کا حاصل جمع دو ہوتا ہے، تو یہ بہر کیف تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ دو اور دو کا حاصل جمع چار ہوتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح آپ نے گذشتہ اوراق میں ہندوستان کے زمینی حقائق کا ترتیب وار جائزہ لیا ہے۔ اگر آپ ان حقائق کو تسلیم کرتے ہیں، تو عرض یہ ہے کہ متذکرہ بالا مسلمہ زمینی حقائق کی روشنی ہی میں ایسے حل کی طرف نشاندہی ناگزیر ہے، جو ہمارے اجتماعی مفاد میں ہو۔

حل کی جانب پیش قدمی سے پہلے ایک بار پھر زمینی حقائق پیش نگاہ رکھ لیجیے؛

☆عام حالات میں ہندو و مسلم امن و سکون کے ساتھ رہتے ہیں۔

☆فسادات اشتعال انگیزی کی وجہ سے ہوتے ہیں۔

☆دوران فساد پولس بلوائیوں کے ساتھ تعاون کرتی ہے۔

☆فسادات میں تقریباً ۹۰٪ نقصان مسلمانوں کا ہوتا ہے۔

☆مجرموں کو عام طور پر سزائیں نہیں ہوتیں۔

☆عدالت کا کردار مشکوک ہو جاتا ہے۔

☆سیکولر سیاسی پارٹی بھی اکثریتی طبقہ کو ناراض نہیں کرنا چاہتی۔

☆مسلم سیاسی پارٹی کے طاقتور ہونے کے آثار دور دور تک نہیں ہیں۔

☆عالم اسلام اور عالمی برادری سے کسی خیر کی توقع نہیں ہے۔

## تجاویز:

آگے بڑھنے سے پہلے قائد اہل سنت علامہ ارشد القادری علیہ

الرحمہ کی تحریر کا یہ اقتباس پڑھ لیجیے۔ انھوں نے بابری مسجد کی بازیابی کی تحریک پر اظہار خیال کرتے ہوئے اپنے ایک مضمون میں لکھا تھا۔

”یہ حقیقت بھی ذہن نشیں کر لینی چاہیے کہ یہ دنیا عالم اسباب ہے، یہاں ہر کوشش کے ساتھ نتیجہ کا ربط اور ہر نتیجے کے پیچھے کوشش کا تعلق فطرت کا ایک جانا پہچانا قانون ہے۔“

## شعور و آگہی:

اب ورق الٹیے اور نہایت ہی سنجیدگی کے ساتھ چند تجاویز سماعت کیجیے؛

ا۔ ہر حال میں **اشتعال انگیزی سے پرہیز** کیا جائے، حتیٰ کہ اگر کسی علاقے کے ہندو اشتعال دلانا بھی چاہیں، تو اس کے جواب میں ہمیشہ نرمی، پیار اور حکمت سے معاملہ سلجھا لیا جائے، جیسا کہ شاہین باغ اور جامعہ ملیہ کے لوگوں نے کیا ہے، جب کہ چند سر پھرے ہندوؤں نے شاہین باغ کے پر امن احتجاجی مظاہرہ اور جامعہ ملیہ کے سامنے بیٹھے ہوئے طلبہ و طالبات پر گولی چلائی، تاہم علاقے کے مسلمانوں نے طاقت سے جواب دینے کے بجائے، انھیں پولس کے حوالے کر دیا۔ اس طرح میں پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ پچھلے دو مہینوں میں اوکھلا کے مسلمانوں نے اپنی حکمت عملی اور دانشمندی سے کم از کم تین بار دہلی کو فرقہ وارانہ فسادات کے منہ سے باہر نکالا ہے۔

## ۲۔احتجاجات:

**الف۔** علامتی احتجاج، جس کا دورانیہ دو چار گھنٹے کا ہو، کسی بھی علاقے میں کریں۔

**ب۔** ایسا احتجاج جو دنوں، ہفتوں یا مہینوں تک جاری ہو، وہ صرف اور صرف ایسے علاقوں میں ہو، جہاں کی مسلم آبادی دس بیس ہزار پر مشتمل ہو اور یہ سب سمٹے ہوئے ایک جگہ رہتے ہوں۔ جیسے، دہلی میں اوکھلا، ممبئی میں بھیونڈی، جمشید پور میں آزاد نگر وغیرہ۔

**ج۔** حکومت کے کسی اقدام کے خلاف احتجاج کو طاقت ور بنانے کے لیے ملک کے انصاف پسند سکھ، دلت اور ہندو رہنماؤں کو بھی اپنے ساتھ شریک رکھنے کی کوشش کریں، نیز کوشش ہو کہ غیر مسلم مذہبی رہنما بھی آپ کے موقف کی تائید میں بیانات دیں۔

**۳۔** کوشش کریں کہ اپنے مذہبی اور غیر مذہبی جلوس ان کے علاقوں سے نہ گزرے، خاص طور پر جب کہ حالات کسی قدر کشیدہ ہوں۔ اور اگر عام حالات میں ان کے علاقوں سے گزرنا ناگزیر ہو جائے، تو شرکا سے درخواست کی جائے کہ وہ ہندو اکثریتی علاقوں سے گزرتے ہوئے نعروں سے پرہیز کریں اور نعت و منقبت یا تلاوت قرآن کرتے ہوئے گزر جائیں۔

**۴۔** اگر ہندوؤں کے مذہبی جلوس کسی مسلم علاقے سے گزرنے والے ہوں، تو انتظامیہ کے تعاون سے کوشش کی جائے کہ وہ اپنے راستے تبدیل کر لیں، تاہم اگر ایسا نہ ہو سکے، تو جلوس کی راہ میں رہنے والے مسلمانوں سے درخواست کی جائے کہ جلوس کے گزرنے کے دوران وہ اپنے اپنے گھروں کے دروازے اور کھڑکیاں بند رکھیں، نیز چھت پر چڑھ کر بھی جلوس کو دیکھنے کی کوشش نہ کریں۔ ساتھ ہی ساتھ راستے میں پڑنے والی اپنی دکانیں بھی کچھ دیر کے لیے مسلمان بند رکھیں۔

**۵۔** ملت اسلامیہ کی تقویت کے لیے موسم انتخابات سب سے زیادہ قیمتی اور اہم ہے۔ لہٰذا ایسے موقع پر اپنے علاقے کے سیکولر امیدوار کی نہ صرف حمایت کریں، بلکہ رائے عامہ ہموار کرنے کے لیے رضا کارانہ خدمات بھی پیش کریں۔

**۶۔** سال میں دو چار مرتبہ علمائے کرام، ائمہ عظام اور مسلم سماجی رہنما باہمی اتفاق سے کوئی ایسا پروگرام ضرور ترتیب دیں، جس سے ہندوؤں کے تعلق سے مسلمانوں کا رویہ سامنے آجائے اور فرقہ پرست طاقتوں کو سر ابھارنے کے مواقع نہ مل سکیں۔

## مؤدبانہ گزارش:

بہت ممکن ہے کہ اگر آپ صرف تجاویز پڑھیں، تو یہ محسوس ہو کہ ان میں صرف اپنوں سے ہی سارے اقدامات کرنے کی گزارش کی گئی ہے اور حکومت سے کوئی مطالبہ ہے ہی نہیں؟

میں عرض کروں گا کہ بات آپ کی صد فی صد درست ہے۔ تاہم خیال رہے کہ جب حکومت ایسے لوگوں پر مشتمل ہو، جن میں کسی قدر انسانیت بھی ہو، تو بلا شک و شبہ حکومت سے بھی مطالبات کیے جانے چاہئیں، لیکن جب حکومت فرقہ پرست عناصر پر مشتمل ہو، تو ان سے کسی طرح کی حمایت و نصرت کی توقع رکھنا ہی فضول ہے۔

چلتے چلتے عرض گزار ہوں کہ میری اس تجویز پر آپ کو حذف و اضافہ کا پورا پورا اختیار ہے، ارباب حل و عقد سر جوڑ کر بیٹھیں اور جو گوشے زیر بحث آنے سے رہ گئے ہوں، ان تک میری رسائی ممکن بنائیں۔

☆☆☆

# خانقاہِ برکاتیہ میں امام احمد رضا کا مقامِ امتیاز

امام احمد رضا کے مرشد گرامی تاج دار طریقت خاتم الاکابر حضرت سید آل رسول احمدی مارہروی فرماتے ہیں:
”میں متفکر تھا۔ اگر قیامت کے دن رب العزت جل مجدہ نے ارشاد فرمایا کہ آل رسول تو دنیا سے میرے لیے کیا لایا، تو میں کیا جواب دوں گا۔ الحمد للہ آج وہ فکر دور ہو گئی، مجھ سے رب تعالیٰ جلّ وعلیٰ جب یہ پوچھے گا تو دنیا سے میرے لیے کیا لایا؟ تو میں مولانا احمد رضا کو پیش کر دوں گا۔“

مبارک حسین مصباحی

**امام احمد رضا** قدس سرہ العزیز (ولادت: ۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ/ ۱۸۵۶ء- وصال: ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) اساطین علم و معرفت کے فرد فرید اور اپنے عہد میں شریعت و طریقت کے تاج دار تھے، آپ زندگی بھر حال و قال اور زبان و قلم سے بنی نوع انسانیت کے عقیدہ و عمل کے صلاح و فلاح کا کارنامہ انجام دیتے رہے۔ ایک طرف آپ نے جاہل اور دنیا پرست صوفیوں اور ان کے بے بنیاد نظریات کا رد کیا اور احسان و تصوف کا چہرا نکھارا تو دوسری جانب نفسِ تصوف کو غیر اسلامی گورکھ دھندا قرار دینے والے جدیدیوں کی بیخ کنی کی اور ان کے رد میں انتہائی وقیع اور مدلل کتابیں تصنیف فرمائیں۔

میدان تصوف میں آپ کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی رقم طراز ہیں:

”بریلی کے مولانا احمد رضا خاں صاحب جن کو ان کے معتقد مجدد مائۃ حاضرہ کہتے ہیں، درحقیقت طبقۂ صوفیہ کرام میں بہ اعتبار علمی حیثیت کے منصب مجدد کے مستحق ہیں۔ انھوں نے ان مسائل اختلافی پر معرکے کی کتابیں لکھی ہیں جو سال ہا سال سے فرقہ وہابیہ کے زیرِ تحریر و تقریر تھیں اور جن کے جوابات گروہِ صوفیہ کی طرف سے کافی و شافی نہیں دیے گئے تھے، ان کی تصنیفات و تالیفات کی ایک خاص شان اور خاص وضع ہے۔ یہ کتابیں بہت زیادہ تعداد میں ہیں اور ایسی مدلل ہیں جن کو دیکھ کر لکھنے والے کے تبحرِ علمی کا جید سے جید مخالف کو اقرار کرنا پڑتا ہے۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب جو کہتے ہیں وہی کرتے ہیں اور یہ ایک ایسی خصلت ہے جس کی ہم سب کو پیروی کرنی چاہیے۔ ان کے مخالف اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا کی تحریروں میں سختی بہت ہے اور بہت جلدی دوسروں پر کفر کا فتویٰ لگا دیتے ہیں مگر شاید ان لوگوں نے مولانا اسماعیل شہید اور ان کے حواریوں کی دل آزار کتابیں نہیں پڑھیں، جن کو سال ہا سال صوفیۂ کرام برداشت کرتے رہے، ان کتابوں میں جیسی سخت کلامی برتی گئی ہے، اس کے مقابلہ میں جہاں تک میرا خیال ہے مولانا احمد رضا خاں صاحب نے اب تک بہت کم لکھا ہے۔ جماعت صوفیہ علمی حثیت سے مولانا موصوف کو اپنا بہادر، صف شکن، سیف اللہ سمجھتی ہے اور انصاف یہ ہے کہ بالکل جائز سمجھتی ہے۔“ (خواجہ حسن نظامی، ہفت روزہ خطیب، دہلی ۲۲/ مارچ ۱۹۱۵ء ص: ۱۷۳، ۱۷۴، ج:۱ش:۱۱)

یہ مسلم ہے کہ تصوف قرآن و سنت ہی کی روشنی اور بحرِ شریعت ہی کی ایک دل آویز موج ہے۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں:

”ایں راہ کے یابد کہ کتاب بر دست راست گرفتہ باشد و سنت مصطفیٰ ﷺ بر دست چپ و در روشنائی ایں دو شمع می رود، تا نہ در مغاک شبہت افتد نہ در ظلمت بدعت۔“ (تذکرۃ الاولیا، ص: ۸)

اس راہ کو وہی پائے گا جس کے داہنے ہاتھ میں قرآن اور بائیں ہاتھ میں سنت رسول ہوں اور وہ ان دونوں چراغوں کی روشنی میں راستہ طے کرے تاکہ نہ شبہے کے گڑھے میں گرے اور نہ بدعت کی تاریکی میں۔

امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کو قرآن و سنت اور دیگر علوم دینیہ اور عقلیہ میں جو مہارت اور ید طولیٰ حاصل تھا وہ کسی اہلِ نظر پر پوشیدہ نہیں، اسی لیے امام احمد رضا اسرار و تصوف کے شناور اور لعل شب افروز طریقت تھے۔ طریقت و معرفت کے دقیق سے دقیق مسائل میں ارباب طریقت اور خانقاہوں کے سجادہ نشیں ان سے رجوع کیا کرتے تھے، فتاویٰ رضویہ اور آپ کی دیگر کتب تصوف میں اس کے

سیکڑوں شواہد موجود ہیں۔

امام احمد رضا نے علوم تصوف نہ کسی درس گاہ میں پڑھے اور نہ کسی خانقاہ میں تزکیۂ نفس کی برسوں تک ریاضت کی لیکن کتاب وسنت اور دینی علوم متداولہ کی روشنی سے تصوف کے تمام اسرار ورموز آپ پر آشکارا ہو گئے۔ امام احمد رضا اپنے عرفان تصوف کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

"علم تصوف کہ اس کی انتہائی حد اگرچہ احاطۂ عقل میں آنے سے ورا ہے، اور واصل الی اللہ ہونے کے بغیر وہاں تک نہیں پہنچا جاسکتا لیکن تعلیم ظاہری کی بدولت یا نظر وفکر میں کوشش کرنے کے سبب یا حسن تدبر اور سوچ بچار کے ذریعہ جتنا تصوف حاصل ہو سکتا ہے اتنا حاصل ہے۔"

(امام احمد رضا، الاجازات المتینہ لعلماء بکۃ والمدینۃ، مترجم مطبوعہ بریلی ص:۱۵۱)

یہ ایک سچائی ہے کہ تصوف کی منازل مرشد کامل کے بغیر طے نہیں کی جاسکتیں، بہت ممکن ہے کہ ایک شخص اعتقادی اور علمی طور پر اصطلاحات تصوف اور مسائل تصوف کی معلومات فراہم کرلے لیکن عمل کے میدان میں مرشد کامل کی نگاہِ عنایت اور دست گیری کے بغیر منزل مقصود کو نہیں پاسکتا۔ اس پر خار وادی میں مرشدِ کامل کی بیعت و اجازت کے بغیر کتنے اہل ریاضت اور اہلِ مجاہدہ آئے اور شیطان کے ہاتھ کا کھلونا بن کر رہ گئے۔

راہ سلوک کے لیے مرشد کامل کی حاجت کے تعلق سے امام احمد رضا قدس سرہ کے حسب ذیل ارشادات ملاحظ فرمائے۔ امام احمد رضا قادری رقم طراز ہیں:

"قرآن و حدیث میں شریعت، طریقت اور حقیقت سب کچھ ہے۔ اور ان میں سب سے زیادہ ظاہر و آسان شریعت کے مسائل ہیں۔ اور ان آسان مسائل کا یہ حال ہے کہ اگر "ائمۂ مجتہدین" ان کی تشریح نہ فرماتے، تو علما کچھ نہ سمجھتے اور علماے کرام، ائمۂ مجتہدین کے اقوال کی تشریح نہ کرتے۔ تو عوام "ائمہ" کے ارشادات سمجھنے سے بھی عاجز رہتے..... جب احکام شریعت میں یہ حال ہے تو صاف روشن ہے کہ دقائق معرفت بے مرشد کامل خود بخود قرآن و حدیث سے نکال لینا کس قدر محال ہے۔ یہ راہ سخت باریک اور بے شمع مرشد نہایت تاریک ہے۔ بڑے بڑوں کو شیطان لعین نے اس راہ میں ایسا مارا کہ تحت الثریٰ تک پہنچا دیا۔ تیری کیا حقیقت کہ بے رہبر کامل اس میں چلے اور سلامت نکل جانے کا ادعا کرے۔ ائمۂ کرام فرماتے ہیں آدمی اگرچہ کتنا ہی بڑا عامل، زاہد کامل ہو اس پر واجب ہے کہ ولی عارف کو اپنا مرشد بنائے بغیر اس کے ہرگز چارہ نہیں۔" (امام احمد رضا، نقاء السلافۃ فی احکام البیعت والخلافۃ، ص:۹، ۱۰، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی)

امام احمد رضا قدس سرہ کو بھی مرشد کامل کی حاجت تھی محب الرسول، تاج الفحول حضرت علامہ عبد القادر بدایونی عثمانی علیہ الرحمۃ سے بڑے عقیدت مندانہ روابط تھے، انھیں کی قیادت اور رہنمائی میں ۱۲۹۴ھ میں اپنے والد ماجد حضرت علامہ مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمۃ کے ہم راہ مارہرہ مطہرہ پہنچے۔ اس وقت امام احمد رضا کی عمر صرف بائیس برس تھی۔ خانقاہ برکاتیہ کے تاج دار خاتم الاکابر حضرت سید شاہ آل رسول قادری برکاتی مارہروی نے دیکھتے ہی فرمایا:

آیئے ہم تو کئی روز سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

پھر حسبِ دستور خانقاہ بیعت فرمایا اور اسی وقت خلافت اور تمام سلاسل طریقت اور تمام موروثی اوراد و وظائف کی اجازت بھی عطا فرمادی اور خاندانی موروثی وظیفہ کی صندوقچی بھی عنایت فرمائی۔

سلسلہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ بلا شبہہ برصغیر کی عظیم روحانی خانقاہ ہے۔ وہاں خانقاہی دستور یہ رہا ہے کہ پہلے مرید فرماتے تھے اور اس کے بعد باضابطہ تزکیۂ نفس اور دل کی پاکیزگی کے لیے خانقاہ میں چلّے کراتے تھے، مگر یہاں حضور خاتم الاکابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف مرید ہی نہیں فرمایا، بلکہ اسی وقت خانقاہ قادریہ برکاتیہ میں روحانی طور پر جو کچھ دینا ممکن تھا، سب کچھ امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ اور آپ کے والد ماجد حضرت علامہ شاہ نقی علی رضا قدس سرہ کو عطا فرمادیا، روحانی عطیات کی قدرے تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱)- قادریہ برکاتیہ جدیدہ (۲)- قادریہ آبائیہ قدیمہ
(۳) قادریہ اہدلیہ (۴)- قادریہ رزاقیہ
(۵)- قادریہ منوریہ (۶)- چشتیہ نظامیہ قدیمیہ
(۷)- چشتیہ محبوبیہ جدیدہ (۸)- سہروردیہ واحدیہ
(۹)- سہروردیہ فضلیہ (۱۰)- نقشبندیہ علائیہ صدیقیہ
(۱۱)- نقشبندیہ علائیہ علویہ (۱۲)- بدیعیہ
(۱۳) علویہ منامیہ وغیرہ وغیرہ

(حامد رضا، الاجازت المتینہ، ص:۴۰، ۴۱)

مندرجہ بالا سلاسل میں اجازت کے علاوہ محدث بریلوی قدس سرہ کو مصافحات اربعہ کی سندات بھی ملیں جس کی تفصیل موصوف

نے اس طرح تحریر فرمائی ہے:

(۱)-مصافحۃ الجنیہ (۲)-مصافحۃ الخضریہ

(۳)-مصافحۃ المعمریہ (۴)-مصافحۃ المنامیہ

ان مصافحات و اجازت کے علاوہ مختلف اذکار، اشغال و اعمال وغیرہ کی بھی آپ کو اجازت حاصل تھی، مثلاً خواص القرآن، اسماء الٰہیہ، دلائل الخیرات، حصن حصین، حزب البحر، حزب البر، حزب النصر، حرز الامیرین، حرز الیمانی، دعاے مغنی، دعاے حیدری، دعاے عزرائیلی، دعاے سریانی، قصیدہ غوثیہ، صلوٰۃ الاسرار، قصیدہ بردہ۔ وغیرہ وغیرہ۔

امام احمد رضا نے اپنے مرشد کے ہاتھ میں صرف ہاتھ ہی نہیں دیا تھا بلکہ جان و دل، ہوش و خرد بھی انھیں کے حوالے کر دیے تھے۔ ان کی محبت رگ و ریشے میں خون کی طرح سرایت کر گئی۔ اب ان کا قبلۂ دل اور مرکز آرزو صرف اور صرف مارہرہ مطہرہ تھا، اور یہی کاملینِ طریقت کی روش بھی رہی ہے اور معرفت و طریقت کا قانون بھی۔

امام علامہ محمد عبدری مکی شہیر با بن الحاج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مدخل شریف میں فرماتے ہیں:

المريد يعظم شيخه ويؤثره على غيره ممن هو في وقته لأن النبي ﷺ يقول من رزق شئ فليلزمه إلى آخر ما أفاد وأجاد . هذا مختصر.

مرید اپنے طریقت کی تعظیم کرتا ہے اور اس کے معاصرین پر فوقیت دے، اس لیے نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں جس کو جس میں دیا جائے اس کو چاہیے کہ اس کو مضبوطی سے پکڑ لے۔

اسی مدخل شریف میں رقم طراز ہیں:

المريد له اتساع في حسن الظن بهم وفي ارتباطه مع شخص واحد يعول عليه في اموره ويحذر من تقضي أوقاته بغير فائدة. (مدخل شريف بحواله نقاء السلافة في أحكام البيعة والخلافة. ص: ۲۰)

اس سے یہ مسئلۂ طریقت واضح ہو گیا کہ ایک مرید کو چاہیے کہ وہ اپنے عہد کے تمام مشائخ سے حسن ظن اور عقیدت رکھے، لیکن مرکزِ عشق اور قبلۂ دل اپنے پیر ہی کو جانے اور طریقت و معرفت کی منزلیں اپنے پیر صادق ہی کے زیر سایہ طے کرے۔ امام احمد رضا قدس سرہ العزیز نے اس عارفانہ نقطۂ نظر کو بڑے دل آویز وارفتگی وشوق اور سوز و ساز کے پیرایۂ بیان میں رقم فرمایا ہے۔ دل و دماغ کی مکمل توجہ سمیٹ کر ذیل کا پیراگراف ملاحظہ فرمائیے، امام احمد رضا رقم طراز ہیں:

”پیر صادق قبلۂ توجہ ہے۔ اور قبلہ سے انحراف نماز کو جواب صاف بآں کہ فَاَیۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡہُ اللّٰہِ ؕ فرماتے ہیں پھر بھی طالبان وجہ اللہ کو حکم یہی سناتے ہیں کہ حَیۡثُ مَا کُنۡتُمۡ فَوَلُّوۡا وُجُوۡہَکُمۡ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ .

یہ محلِ تحری ہے۔ اور صاحب تحری کا قبلہ تحری، یا ہذا ارباب وفا آقایان دنیا کا دروازہ چھوڑ کر دوسرے در پر جانا کور نمکی جانتے ہیں؟

سر ایں جا، سجدہ ایں جا، بندگی ایں جا، قرار ایں جا

پھر احسانات دنیا کو احسانات حضرت شیخ سے کیا نسبت، عجب اس سے کہ محبت و اخلاص پیر کا دعوا کرے اور اس کے ہوتے ایں و آں کا دم بھرے۔

چوں دل با دلبری آرام گیرد
ز وصل دیگرے کئے کام گیرد
نہی صد دستہ ریحاں پیش بلبل
نخواہی خاطرش جز نکہتِ گل

(امام احمد رضا، نقاء السلافة في احكام البيعة والخلافة، مطبوعه رضا اكيڈمي، ممبئي، ص: ۲۲، ۲۳)

مزید امام احمد رضا فرماتے ہیں:

فیضِ پیر من و سلویٰ ہے اور لن نصبر علی طعام واحد کہنے کا نتیجہ برا۔ فلا تكن اسرائيليا وكن محمديا يأتی رزقك بكرة وعشيا- يا هذا! باپ پدرِ گل ہے اور پیر پدرِ دل۔ مولیٰ معتق مشت خاک ہے اور پیر معتقِ جانِ پاک۔ (امام احمد رضا، نقاء السلافۃ فی احکام البیعۃ والخلافۃ، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی، ص: ۲۳)

امام احمد رضا عشق و وارفتگیِ جنوں خیز سے سرشار ہو کر اپنے مرشد کامل کی بارگاہ میں عرض کناں ہیں۔

خوشا دلے کہ دہندش ولائے آل رسول
خوشا سرے کہ کنندش فدائے آل رسول
منم امیر و جہاں گیر و کج کلاہ یعنی
کمینہ بندہ و مسکیں گدائے آل رسول
مراز نسبتِ ملک است امید آنکہ بہ حشر
ندا کنند بیا اے رضائے آل رسول

اپنے مرشد کی بارگاہ میں ہدیۂ محبت اور خراج عقیدت پیش کرنا اور ذریعۂ نجات سمجھنا مرید کے عشق صادق اور سلامتیِ ارادت کی دلیل ہے، لیکن حیرت واستعجاب میں ڈوب جانے کا مقام یہ ہے کہ ایک پیر کامل اپنے مرید صادق کو سرمایۂ آخرت بنائے۔ سنیے تاج دار طریقت خاتم الاکابر امام احمد رضا کے مرشدِ گرامی حضرت سید آل رسول احمدی مارہروی فرماتے ہیں:

”میں متفکر تھا۔ اگر قیامت کے دن رب العزت جل مجدہ نے ارشاد فرمایا کہ آل رسول تو دنیا سے میرے لیے کیا لایا، تو میں کیا جواب دوں گا۔ الحمدللہ آج وہ فکر دور ہوگئی، مجھ سے رب تعالیٰ جلّ وعلیٰ جب یہ پوچھے گا تو دنیا سے میرے لیے کیا لایا؟ تو میں مولانا احمد رضا کو پیش کردوں گا۔“

خانقاہ برکاتیہ کی ہمیشہ سے یہ خصوصیت رہی ہے کہ وہاں عام خانقاہوں کی طرح خلافتیں خالی آفتوں کی طرح تقسیم نہیں کی جاتیں کہ کسی سے کسی قسم کی دنیاوی منفعت نظر آئی، اسے پکڑ کر دستار خلافت لپیٹ دی، یا سند خلافت دے دی، بلکہ بعض مشائخ طریقت بزعم خویش اپنے حلقۂ ارادت بڑھانے اور اہل ثروت کو اپنی قربانی کا بکرا بنانے کے لیے خود ہی دلالوں بنام خلفا کی تلاش میں رہتے ہیں، پھر وہ نام نہاد خلفا اپنے ناموں کے ساتھ خلیفۂ شیخ المشائخ حضور فلاں کا سرنامہ لگا کر جاہلوں میں اپنی اور اپنے پیر کی کرامتیں بیان کرتے ہیں اور پر دن کے اجالے میں آبادیوں پر ڈاکا ڈال کر نصف لی و نصف لک کارنامہ انجام دیتے ہیں۔ الامان والحفیظ۔

عرض مدعا یہ ہے کہ خانقاہ برکاتیہ میں خلافتیں خوب چھان پھٹک کر، بھرپور ریاضت ومجاہدہ، صفائی قلب اور تزکیۂ نفس کے بعد دی جاتی تھیں۔ پہلے مہینوں اور برسوں حسب حال ریاضت ومجاہدۂ شاقہ کے بعد دلوں کا میل کچیل دور کیا جاتا اور پھر کندن بنا کر اجازت وخلافت سے سرفراز کیا جاتا تھا۔ لیکن خلاف معمول امام احمد رضا قدس سرہ کو پہلی ہی ملاقات میں بیعت وخلافت سے لے کر جملہ اورادو وظائف اور تمام سلاسل طریقت کی اجازت تک مراحل طے کرا دیے۔ حضرت خاتم الاکابر کی اس نوازش خسروانہ پر شیخ طریقت حضور ابو الحسین نوری میاں قدس سرہ وغیرہ کو حیرت ہوئی تو حضرت خاتم الاکابر نے اپنی زبان فیض ترجمان سے ارشاد فرمایا:

”میاں صاحب! اور لوگ زنگ آلود میلا کچلا دل لے کر آتے ہیں، اس کی صفائی اور پاکیزگی کے لیے مجاہدات طویلہ، ریاضات شاقہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ دونوں حضرات صاف ستھرا دل لے کر ہمارے پاس آئے تھے، ان کو صرف اتصال نسبت کی ضرورت تھی، وہ مرید ہوتے ہی حاصل ہوگئی۔“ (حاشیۂ تذکرہ نوری: ۴۰)

حضرت خاتم الاکابر قدس سرہ العزیز نے امام احمد رضا کی پاکیزگی دل اور تزکیۂ نفس ہی کی شہادت نہیں دی تھی بلکہ احسان وتصوف اور معرفت وحقیقت میں آپ کی گہری بصیرت، کامل رسائی اور مکمل عرفان وآگہی کی بھی سند عطا فرمادی تھی۔

حضرت خاتم الاکابر فرماتے ہیں:

”میاں صاحب! میری اور میرے مشائخ کے تمام تصانیف مطبوعہ یا غیر مطبوعہ جب تک مولانا احمد رضا کو نہ دکھائی جائیں شائع نہ کی جائیں، جس کو یہ بتائیں چھپے، وہ چھاپی جائے، جس کو منع کردیں وہ ہرگز نہ چھاپی جائے۔ جو عبارت یہ بڑھادیں، وہ میری اور میرے مشائخ کی جانب سے بڑھی ہوئی سمجھی جائے اور جس عبارت کو کاٹ دیں وہ کٹی ہوئی سمجھی جائے۔ یہ اختیارات ان کو بارگاہ نبوی ﷺ سے عطا ہوئے ہیں۔“

(قاری امانت رسول، تجلیات امام احمد رضا ص: ۳۲، مطبوعہ کراچی)

کیا مرشد کامل کے ارشاد گرامی سے تصوف ومعرفت میں امام احمد رضا کے فلک پیما مقام بلند کا اندازہ نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے مشائخ خانقاہ برکاتیہ کی اکثر تصانیف تصوف ومعرفت ہی کے موضوعات پر ہیں اور ان میں عرفان وتصوف کے ہزاروں مسائل ومعارف ہیں جن کو بلند پایہ ارباب طریقت اور اصحاب حقیقت ہی سمجھ سکتے ہیں۔ ان تصانیف کے حوالے سے مرشد کامل کا مرید صادق پر یہ کامل اعتماد ویقین کی سب سے بلند چوٹی سے اعلان کررہا ہے کہ جب امام احمد رضا بائیس برس کی عمر میں مارہرہ شریف بیعت ہونے کے لیے تشریف لے گئے تھے تو سلوک ومعرفت کے تمام مقامات حاصل کرچکے تھے، گویا کہ تصوف ومعرفت کے تاج محل کی عمارت بن چکی تھی بس رشتۂ محبت جوڑنے کی دیر تھی۔ رگ حیات پر مرشد نے اپنا دست مسیحائی رکھا اور پوری عمارتِ دل بقعۂ نور بن کر جگمگا گئی اور امام احمد رضا پکار اٹھے۔

نور جاں عطر مجموعہ آل رسول
میرے آقائے نعمت پہ لاکھوں سلام

☆☆☆☆

# علامہ سید فدا علی وامق بریلوی
# حیات و خدمات

حافظ مجاہد وامقی

**سید المشائخ**، مترجم و مفسر قرآن کریم، بلند پایہ باکمال صاحب دیوان شاعر، صاحب تصانیف، اولاد غوث اعظم، حضرت علامہ مولانا الحاج الشاہ سید فدا علی قادری رزاقی جیلانی المعروف وامق میاں علیہ الرحمہ نجیب الطرفین سادات سے ہیں۔ تینتیس واسطوں سے آپ کا نسب نامہ مولائے کائنات حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے جد نہم حضرت سید قادری بغدادی جیلانی سب سے پہلے بریلی شریف وار د ہوئے۔ آپ صاحب فضل و کمال، متقی پرہیزگار اور عوام و خواص میں ایک مقبول شخصیت تھے۔

آپ کا نام "سید فدا علی" ہے اور "سید المشائخ" لقب ہے، "وامق بریلوی" تخلص ہے۔ عوام و خواص میں "وامق میاں" کے نام سے جانے اور پہچانے جاتے ہیں۔ آپ کے والد ماجد علامہ سید شاہ مردان علی قادری جیلانی (متوفیٰ ۱۹۲۰ء) اور جد امجد علامہ سید ببر علی قادری جیلانی ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۷ء کو بریلی شہر کے محلہ نعل بندی ٹولہ میں ہوئی۔ علوم معقول و منقول کی تکمیل، سلوک و تصوف کی تربیت اور علم ظاہری و باطنی کی تعلیم صرف اپنے والد ماجد علامہ سید شاہ مردان علی جیلانی قادری سے فرمائی۔ عام طور پر یہ تصور کیا جاتا ہے کہ جس کے اساتذہ جس کثرت سے ہوں گے وہ اتنا ہی عظیم الشان ہوگا۔ مگر یہ دلیل شاگرد کے تبحر علمی و ادبی کے لیے درست نہیں ہے۔ بلکہ استاد کی محققانہ صلاحیت اور عارفانہ بصیرت اور شاگرد کی جدوجہد پر اس کا اظہار ہوتا ہے۔

سید المشائخ دو بار حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ پہلی بار ۳/ شوال ۱۳۳۷ھ میں حج کیا۔ اس سفر میں بیس دن مدینہ منورہ میں قیام کیا۔ دوسرا سفر حج ۲۳/ شوال ۱۳۵۱ھ کو اپنے فرزند ارجمند مولانا سید شاہ ظل علی قادری جیلانی عرف نشاط میاں بریلوی کے ہمراہ فرمایا۔ اس سفر میں گیارہ دن مدینہ منورہ میں قیام فرمایا۔

سید المشائخ کے معمولات زندگی ایک مقررہ نظام کے تحت تھے۔ آخر عمر میں مکمل طور پر مشاغل دینیہ کی طرف متوجہ ہو گئے تھے اور گوشہ نشینی اختیار فرمائی۔ مسلسل تیرہ سال تک ترک حیوانات کے عامل رہے۔ بارہ سال مسلسل روزے رکھے۔ اس کے بعد تا دم زیست صوم داؤدی پر عمل کیا۔ بعد نماز فجر روزانہ ایک ہزار مرتبہ درود پاک کا ورد کرتے تھے۔ اس کے بعد سورہ مزمل، سورہ جن اور سورہ یٰسین تلاوت کرتے۔

آپ نسلاً اور مشرباً دونوں طرح قادری تھے۔ یہ دونوں نسبتیں اور جملہ علوم معقول و منقول اور ظاہر و باطن کی تحصیل والد ماجد سے حاصل کی۔ اس کے بعد مزید باطنی نعمتیں مجدد سلسلۂ اشرفیہ، ہم شبیہ غوث اعظم حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی جیلانی کچھوچھوی علیہ الرحمہ (متوفیٰ ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء) سے حاصل کیں۔ جس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت اشرفی میاں کے ارادت مند پورے روہیل کھنڈ میں کثیر تعداد میں تھے۔ ایک بار اچانک بغیر کسی پیشگی اطلاع کے بریلی تشریف لائے اور اپنے مخلص مرید جناب پیارے میاں اشرفی کے یہاں قیام فرمایا۔ عقیدت مندوں کا جم غفیر لگ گیا۔ حضرت اشرفی میاں محفل میں وعظ و نصیحت فرما رہے تھے۔ حضرت سید المشائخ وامق میاں بھی پہنچ گئے۔ اور ایک گوشہ میں خاموشی سے بیٹھ گئے۔ آپ نے فوراً وعظ بند کر دیا اور ارشاد فرمایا کہ مجھے اس محفل میں رزاقی بو آ رہی ہے۔ اس محفل میں شہزادۂ غوث اعظم سیدنا عبد الرزاق قادری بغدادی کی اولاد میں سے کون ہے؟ دوبارہ پھر فرمایا کہ اس محفل میں کوئی رزاقی ضرور ہے۔ سہ بارہ فرمایا تو حضرت وامق میاں کھڑے ہو گئے اور عرض کیا حضور رزاقی سادات سے میں ہوں۔ حضور اشرفی میاں نے آپ کے سراپا کو اوپر سے نیچے تک بغور ملاحظہ کیا اور ظاہر و باطن کا معائنہ کرنے کے بعد آپ کو اپنے حلقۂ ارادت میں شامل کر کے جمیع سلاسل طریقت کی اجازت و خلافت سے نوازا۔ اس کے بعد سید المشائخ وامق میاں نے اپنے مرشد کو اپنے دولت کدہ پر مدعو کیا۔ اپنے جملہ مریدین و معتقدین کے ساتھ خانوادۂ رزاقیہ میں جلوہ گر ہوئے۔ اور اپنے دست مبارک سے ۱۹۰۸ء میں "خانقاہ وامقیہ اشرفیہ، بریلی شریف" کو قائم فرمایا اور اس کے بعد سلسلۂ چشتیہ کے معمولات کے مطابق خانقاہ وامقیہ میں اعراس اور نذر و نیاز کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جو تادم تحریر خانقاہ کے ولی عہد حضرت سید اسلم میاں وامقی مدظلہ کی نگرانی میں جاری و ساری ہیں۔

حضرت وامق میاں نے اپنی خانقاہ سے معتقدین کو علم و عمل کے زیور سے آراستہ کیا۔ اصلاح عقائد و اعمال اور خدمت خلق کا فریضہ انجام دیا۔ خانقاہ وامقیہ میں از قیام تا دم تحریر ہمیشہ علما و مشائخ اور سادات تشریف لاتے رہے ہیں اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔ اس کا ریکارڈ بھی خانقاہ کی قدیم لائبریری میں محفوظ ہے، جو راقم نے ملاحظہ کیا ہے۔ اسی طرح حضرت

وامق میاں کے معاصرین کی بھی ایک طویل فہرست ہے، جن سے آپ کے خوشگوار تعلقات تھے۔ مثلاً حضرت نوری میاں مارہروی، تاج الفحول بدایونی، حضرت وارث پاک دیوہ شریف، شاہ جی میاں پیلی بھیت، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہم الرحمہ وغیرہم۔

## جمعیۃ سادات اہل سنت کا قیام:

سید المشائخ حضرت وامقؔ بریلوی علیہ الرحمہ نے اپنی حیات مبارکہ میں مختلف النوع کارنامے اور خدمات انجام دیں۔ رزق حلال کے لیے دنیاوی امور کو بھی پاکیزہ طبیعت کے ساتھ بخوبی انجام دیا۔ اور ساتھ ہی سادات اہل سنت و جماعت کی صلاح و فلاح، اصلاح عقائد و اعمال، دعوت و تبلیغ اور تعلیم کو عام کرنے کے لیے "جمعیت سادات اہل سنت" کا قیام فرمایا۔ حضرت مولانا سید محمد انوار الرحمٰن بسملؔ، رئیس اعظم و تعلقہ دار جے پور اسٹیٹ جمعیت کے سرپرست اور آپ بانی و صدر قرار پائے۔ سید المشائخ نے ہر محاذ پر اپنے آپ کو حرص و ہوس سے دور رکھا۔ آپ نے قومی و ملی مسائل کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔ نادار و محتاج اور غربا کی زندگی کو بذات خود ملاحظہ کیا تھا۔ ان تمام خدمات کو انجام دینے کے لیے آپ نے جمعیت کی جملہ شاخوں کے دائرۂ عمل کا دور دراز تک سفر کیا۔ خانقاہی نظام کو لوٹ کھسوٹ سے محفوظ کرنے کے لیے گراں قدر تجاویز پیش فرمائیں۔ سید المشائخ نے جمعیت کے اغراض و مقاصد، لائحۂ عمل اور منصوبوں کے تعلق سے کتابچہ کی شکل میں ایک دستور العمل بھی مرتب فرمایا۔

اگر جمعیت اپنے جملہ اغراض و مقاصد کے ساتھ باقی رہتی اور اس کے مستقبل کے خاکوں میں رنگ بھر اجاتا، تو آج کا خانقاہی نظام کچھ اور ہی ہوتا، لوٹ کھسوٹ کی طرح وہ تمام عناصر جن کی وجہ سے خانقاہیں بدنام ہیں۔ ان سماجی برائیوں سے محفوظ رہتیں۔ مگر صد حیف کہ یہ اصلاحی پروگرام کیوں نہ آگے بڑھ سکا، اور اس کے اراکین کے جذبات جمعیت کے بانی کے وصال کے بعد اس قدر جلد کیوں سرد پڑ گئے (واللہ اعلم) ممکن ہے اس کی ایک وجہ ۱۹۴۷ء کے ہوش ربا حالات اور تقسیم ہند و پاک بھی ہو سکتی ہے۔

حضرت وامق میاں بریلوی نے ملکی سطح کی خدمات کے لیے "جمعیت سادات اہل سنت" کا قیام کیا اور مقامی سطح پر "انجمن سادات اہل سنت بریلی" قائم کی، جس میں شہر بریلی کے تمام سادات کو شامل کیا۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سید المشائخ ایک مدبر و مصلح تھے۔ جنھوں نے ملت سے جہالت و بدعات کو ختم کیا۔ ناجائز و حرام لہو و لعب اور رسومات کو ترک کرایا اور لوگوں کو متبع سنت بنایا۔ اصلاحی تحریکات میں پیش پیش رہے۔ ملت اسلامیہ کی بے راہ روی دور کرنے کے لیے عدیم المثال رسالہ "جمعیت سادات" ۱۹۳۷ء میں شائع فرمایا۔

خانقاہ وامقیہ، قطب شہر بریلی حضرت سید جلال الدین چشتی عرف شاہ دانا ولی، کے قرب میں واقع ہے۔ اس خانوادۂ جیلانیہ وامقیہ نے ہمیشہ عرس شاہ دانا ولی کی سرپرستی فرمائی اور قل شریف کی رسم ادا کرائی۔ یہ سلسلہ ۲۰۱۲ء تک قائم رہا۔ درگاہ شاہ دانا ولی پر انیسویں صدی عیسوی کے نصف اول تک غیر شرعی امور انجام دیے جاتے تھے۔ زائرین جاہلانہ رسومات ادا کرتے تھے۔ سید المشائخ نے انجمن سادات اہل سنت بریلی کے پلیٹ فارم سے اصلاحی تحریک چلا کر ان تمام بدعات و خرافات کا خاتمہ فرمایا اور عرس کو شرعی حیثیت عطا کی۔

حضرت سید المشائخ وامق میاں بریلوی صاحب کشف و کرامات اور روحانی تصرفات کے حامل ایک جلیل القدر شخصیت تھے۔ آپ سے بے شمار کرامات اور روحانی تصرفات کا اظہار و صدور ہوا، جس کی تفصیل سوانح حیات میں موجود ہے۔

**تصنیفات:** سید المشائخ حضرت سید فدا علی جیلانی وامق میاں بریلوی چودھویں صدی ہجری کے مسلم الثبوت عالم دین، عظیم ترجمہ نگار، بلند پایہ مصنف، صاحب بصیرت قادرالکلام شاعر اور عاشق رسول تھے۔ خانقاہی معمولات تبلیغی دورے، اصلاحی تحریکات، روز و شب کے معمولات اور گھریلو مصروفیات کے باوجود ایک قابل قدر تصنیفات کا ذخیرہ آپ نے چھوڑا، جو فی الوقت "خانقاہ وامقیہ" کی لائبریری میں محفوظ ہیں:

۱۔ **نور الفرقان فی ترجمۃ القرآن:** حضرت وامق میاں علیہ الرحمہ کا شاہ کار کارنامہ ترجمۂ قرآن ہے۔ آپ کا یہ ترجمہ سادہ و سلیس ہونے کے ساتھ ساتھ عین سائنٹفک ہے۔ ترجمہ کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ آیت کریمہ سے جن علوم و فنون اور اصطلاحات کا ثبوت ہوتا ہے۔ ترجمہ میں انھیں جملوں کا استعمال کیا ہے تاکہ آیت کی مراد ظاہر ہو جائے۔ آپ کا یہ ترجمۂ قرآن بے شمار خوبیوں کے ساتھ ساتھ سادہ و سلیس، برمحل محاوروں کا استعمال، متقدمین مفسرین کی تشریحات کے عین مطابق ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ علوم القرآن میں ماہر و کامل تھے۔ آپ کا یہ ترجمہ خانقاہ کی لائبریری میں بشکل مخطوطہ محفوظ ہے۔

۲۔ **تفسیر وامقی:** آپ نے باضابطہ پورے قرآن کی مکمل تفسیر رقم نہیں فرمائی جہاں جہاں تشریح و تفسیر کی ضرورت محسوس کی وہاں پر عالمانہ وقار، محققانہ شان اور مفسرانہ انداز میں تفسیر تحریر فرمائی۔ اگر اس کو ایک کتابی شکل میں جمع کیا جائے تو ایک مبسوط تفسیر بن جائے گی۔

۳۔ **رسالہ در علم تکسیر:** حضرت وامق میاں کو اس مشکل علم میں بھی مہارت تامہ حاصل تھی۔ بعض خام عاملین مجموعۂ اعمال، یا مجربات دیربی یا نافع الخلائق سے نقوش بے قاعدہ یا با قاعدہ قلم بند کرتے ہیں۔ یا پھر نقش مثلث و مربع سے نقش پُر کرنا جانتے ہیں۔ مگر حضرت وامق میاں نے اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی اور اس طرح کے بے شمار

اصول اور قواعد وضوابط علم تکسیر کے رسالہ میں لکھے۔ اس رسالہ کے منتشر اوراق خانقاہ کی لائبریری میں محفوظ ہیں۔ یہ مشکل علم آپ نے اپنے والد ماجد سے حاصل کیا۔

۴۔ حضرت وامق میاں کو تاریخ گوئی میں بھی ید طولی حاصل تھا۔ بامعنی الفاظ کے ذریعے سے کسی اہم واقعہ، انتقال، پیدائش، تصنیف وغیرہ کی تاریخ کا تعین کرنا شعری اصطلاح میں ”تاریخ گوئی اور مادۂ تاریخ“ کہلاتا ہے۔ تاریخ کے ذریعہ دن، تاریخ، ماہ، سال یا محض سال کا تعین کیا جاتا ہے۔ مطلوبہ سنہ ایک لفظ یا ایک فقرے یا پورے ایک مصرعے سے نکالا جاتا ہے۔ یہ علم بھی آپ نے اپنے والد ماجد سے حاصل کیا۔ آپ نے اپنے دیوان کا نام ”توصیف سرکار عرب“ رکھا ہے۔ جس سے ۱۳۳۹ھ برآمد ہوتا ہے۔

**۵۔توصیف سرکار عرب:** حضرت وامق میاں علیہ الرحمہ بے شمار ظاہری وباطنی خوبیوں کے ساتھ ایک باکمال اور بلند پایہ شاعر بھی تھے۔ آپ نے اپنے دیوان کو ”توصیف سرکار عرب“ کے نام سے موسوم کیا ہے۔ دیوان وامق میں حمد، نعت، مناقب، قصائد، قطعات، غزلیات، رباعیات، معراج درود و سلام مستزاد، مربع، مخمس، سہل ممتنع، صنعت تلمیع، صنعت تلمیح، اقتباس وغیرہ میں کلام موجود ہے۔ دیوان میں فارسی اور اردو میں کلام موجود ہے۔ آپ کی شاعری کا محور سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پاک ہے اور شاعری کا موضوع عشق رسالت مآب ہے۔ ادب و احترام کا عالم یہ ہے کہ پانچ سو صفحات سے زائد پر مشتمل دیوان میں ایک بار بھی اسم رسالت پاک ”محمد“ کا استعمال نہیں کیا ہے۔ اور دوسری خصوصیت یہ ہے کہ پورے دیوان میں شاید ہی کوئی کلام ایسا ہو جس میں مدینہ منورہ حاضری کا اشتیاق نہ ہو۔ راقم سطور نے پورا دیوان حرف بحرف مطالعہ کیا ہے۔ دیوانِ وامق، توصیف سرکار عرب کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ ”الف“ سے لے کر ”ی“ تک ہر ردیف میں آپ نے طبع آزمائی کی ہے، یہ خوبی آپ کو ہم عصر شعرا سے ممتاز کرتی ہے۔ یہ دیوان قلمی صورت میں خانقاہ وامقیہ کی لائبریری میں محفوظ ہے۔ جو ڈاکٹر محمود حسین بریلوی کی تحقیق و ترتیب کے ساتھ عن قریب منظر عام پر آنے والا ہے۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْق.

**سفر آخرت:** حضرت سید المشائخ علامہ سید فدا علی وامق میاں بریلوی ارشاد وہدایت، اصلاح عقائد و اعمال، تدریسی، سماجی، تصنیفی، فلاحی اور روحانی و عرفانی خدمات انجام دے کر اپنی حیات مستعار کے لمحے پورے کر کے نوے سال کی عمر میں ۱۲/ رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ میں عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف روانہ ہوئے۔

**خلفا:** حضرت وامق میاں علیہ الرحمہ نے اپنی خانقاہ میں بیٹھ کر سیکڑوں وابستگان کو رشد وہدایت کا پیغام عطا کیا اور انھیں اجازت و خلافت سے نوازا، ایسے حضرات کی طویل فہرست ہے جو برصغیر میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ جن میں یہ دو نام قابل قدر ہیں: ایک حضرت صوفی شاہ عبدالغفور وامقی اشرفی علیہ الرحمہ۔ آپ بریلی شریف میں پیدا ہوئے۔ تقسیم ہند کے موقع پر کراچی ہجرت کر گئے اور وہیں انتقال ہوا۔ حضرت وامق میاں کے دوسرے خلیفہ آپ کے اکلوتے فرزند حضرت سید ظل علی نشاط میاں وامقی اشرفی ہیں۔

**اولاد امجاد:** آپ کا عقد مسنون بریلی میں پرانے شہر کے معزز سادات گھرانے میں ایک خاتون ”مصطفائی بیگم“ سے ۱۹۰۵ء میں ہوا۔ آپ کی زوجہ عابدہ، زاہدہ، عبادت گزار اور رابعہ عصر تھیں۔ انھیں خصوصیات کی بنا پر آپ کو ”صفت اولیا“ کہا جاتا تھا۔ آپ سے ایک صاحبزادی خوشنوی جان ۱۳۲۵ھ /۱۹۰۸ء تولد ہوئیں۔ اور ایک صاحبزادے سید ظل علی عرف نشاط میاں ہوئے۔ جن کا تاریخی نام ”خورشید الحسنین ۱۳۲۹ھ“ رکھا۔

حضرت نشاط میاں کی ولادت ۱۳۲۹ھ /۱۹۱۱ء کو محلہ گھیر فتح محمد خاں، بریلی میں ہوئی تعلیم و تربیت، تصوف و سلوک، علم ظاہری و باطنی اور اجازت و خلافت اپنے والد ماجد علامہ سید فدا علی قادری جیلانی وامق میاں سے حاصل کی۔ ۱۳۵۱ھ میں والد ماجد کی معیت میں زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے۔ آپ اخلاق و عادات اور زہد و اتقا میں اہل بیت کی یادگار تھے۔ شعر و سخن سے دلچسپی، شریعت و طریقت میں بالغ نظری آپ کو وراثت میں ملی تھی۔ جمعیت سادات اہل سنت کے زیر اہتمام آپ نے بے شمار خدمات انجام دیں۔ والد ماجد کے وصال کے بعد خانقاہ کی جملہ خدمات بحسن و جوہ انجام دیں۔ آپ کے خلفا کی ایک بڑی تعداد مختلف مقامات پر موجود ہے، جو اپنی خدمات سے جہالت کی تاریکیاں دور کر رہے ہیں۔ آپ ایک اچھے شاعر بھی تھے۔ آپ صاحبِ فن، صاحب عشق، صاحب علم و ادب اور صاحب دیوان شاعر تھے۔

آپ کا وصال ۱۲/ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ کو ہوا۔

اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا ہے کہ خانقاہ وامقیہ کے زیب سجادہ حضرت سید محمد میاں وامقی اشرفی مد ظلہ العالی کو صحت و سلامتی کے ساتھ عمر طویل عطا فرمائے۔ اور ولی عہد حضرت مولانا الحاج پیر سید محمد اسلم میاں وامقی اشرفی جیلانی مد ظلہ العالی اور حضرت علامہ ڈاکٹر محمود حسین وامقی بریلوی، صدر شعبۂ عربی، بریلی کالج، بریلی کے عزم و حوصلے کو مزید قوت و استحکام بخشے تا کہ خانقاہ وامقیہ کے باقی نادر و نایاب مخطوطے بھی زیور طباعت سے آراستہ ہو سکیں۔ آمین یارب العالمین۔ ☆☆☆

# فرضیتِ حج کے باوجود عمرہ کرنا یا کرتے رہنا
# ایک شرعی جائزہ

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم اربابِ قلم اور علماے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔ از: مبارک حسین مصباحی

اپریل ۲۰۱۰ء کا عنوان — کروناوائرس سے محفوظ رہنے کی آسان تدابیر

مئی ۲۰۱۰ء کا عنوان — حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دورِ حکومت - ایک جائزہ

## حج فرض ہونے کے باوجود صرف عمرہ کرنے کا حکم

از: **مفتی عبد الحق رضوی**، استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

**حضرت** ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ مشرکین حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے کو بدترین گناہ قرار دیتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کے اہم مقاصد میں سے ایک بنیادی مقصد زمانۂ جاہلیت کی مشرکانہ عادات ورسوم اور باطل افکار ونظریات کو مٹانا تھا۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے کہ مشرکین کے باطل نظریات میں سے ایک باطل عقیدہ ونظریہ یہ بھی تھا کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے کو بدترین گناہ قرار دیتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم چار ذوالحجہ کو حج کا احرام باندھ کر تشریف لائے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو حکم دیا کہ وہ حج کے احرام کو عمرہ کردیں صحابۂ کرام کو یہ بات بہت دشوار لگی انھوں نے پوچھا یا رسول اللہ! کس طرح حلال ہوں؟ آپ نے فرمایا: پورے پورے حلال ہو جاؤ۔ (بخاری ومسلم)

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام چار تاریخ کی صبح کو حج کا احرام باندھے ہوئے آئے آپ نے فرمایا: جس شخص کے پاس ہدی نہیں ہے وہ اپنے حج کے احرام کو عمرہ کردے۔ (بخاری ومسلم)

ایک اور روایت ہے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام نے حج کا احرام باندھا اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت طلحہ کے سوا کسی صحابی کے ساتھ ہدی نہیں تھی اور حضرت علی یمن سے آئے تھے ان کے ساتھ بھی ہدی تھی اور انھوں نے کہا تھا کہ میری احرام میں وہ نیت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نیت ہے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے کہا کہ وہ اس احرام کو عمرہ کا احرام کردیں اور طواف کریں اور بال کاٹ کر حلال ہو جائیں ما سوا ان لوگوں کے جن لوگوں کے ساتھ ہدی ہے۔

امام نووی لکھتے ہیں کہ ہمارے اصحاب شافعیہ اور ان کے موافقین (احناف اور مالکیہ) یہ کہتے ہیں کہ حج کے احرام کو فسخ کرنا صرف حجۃ الوداع میں صحابہ کے ساتھ خاص تھا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کو حج کے ایام میں عمرہ کا احرام باندھنے کا حکم اس لیے دیا تھا کہ مشرکین جاہلیت کا یہ عقیدہ تھا کہ حج کے دنوں میں عمرہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اور وہ اس کو بدترین گناہ کہتے تھے۔ تو آپ نے ان کا رد کرنے کے لیے ان کی مخالفت میں یہ حکم دیا تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حارث بن بلال کہتے ہیں کہ حارث کے والد نے کہا یا رسول اللہ! یہ بتلائیے کہ آیا حج کے احرام کو فسخ کرکے عمرہ کا احرام باندھنا

ہمارے ساتھ خاص ہے یا یہ حکم تمام لوگوں کے لیے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ حکم تمھارے ساتھ خاص ہے۔ اس حدیث کو امام ابو داؤد، امام نسائی، امام ابن ماجہ اور دیگر ائمہ حدیث نے روایت کیا ہے اور اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ ہمارے اصحاب نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے کہ حج میں تمتع کرنا اصحاب محمد کے ساتھ خاص تھا۔ (مسلم)

امام بیہقی اور دیگر محدثین نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابوذر کی تمتع سے مراد حج کو فسخ کر کے عمرہ کرنا ہے۔ اور یہ اس مصلحت سے تھا کہ یہ بیان کیا جائے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا جائز ہے۔ اور اب چوں کہ یہ وجہ نہیں رہی اس لیے اب کسی کے لیے حج کو فسخ کرنا جائز نہیں ہے۔

**مسائل عمرہ:** پورے سال میں جب چاہے عمرہ کرنا جائز ہے سوائے ان پانچ دنوں کے جو حج کی مصروفیت کے ایام ہیں ان پانچ دنوں میں عمرہ کرنا سب کے لیے ممنوع ہے خواہ وہ مکی ہوں یا آفاقی۔ امام سرخسی فرماتے ہیں:

و الحاصل أن جميع السنة وقت العمر ة عندنا. و لكن يكره اداؤها في خمسة ايام : يوم عرفة و يوم النحر و ايام التشريق ، هكذا روى عن عائشة رضى الله عنها انها كانت تكره العمرة في هذه الايام الخمسة، ولان الله تعالى سمى هذه الايام ايام الحج فيقتضى ان تكون متعينة للحج الاكبر فلا يجوز الاشتغال فيها بغيرها۔

(المبسوط للإمام السرخسي، ج:٤،ص:١٧٤)

**عمرہ واجب ہے یا سنتِ موکدہ:** دونوں قول ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ سنتِ مؤکدہ ہے۔ عمرے کی نیت سے احرام اس کے لیے شرط ہے۔ بیت اللہ کا طواف اور صفا مروہ کی سعی اس کے رکن ہیں۔ اور احرام کھولنے کے لیے حلق یا تقصیر فرض ہے۔ عمرہ کرنے والے کے ساتھ اگر قربانی کے جانور نہیں تو سعی کے بعد سر منڈا کر یا بال کتروا کر احرام کھول دے۔ اور اگر اس کے ساتھ قربانی کے جانور بھی ہیں تو احرام نہ کھولے۔ دسویں ذی الحجہ کو قربانی کر کے احرام کھولے۔ یومِ عرفہ، یومِ نحر، ایامِ تشریق کے علاوہ پورے سال میں عمرہ ہو سکتا ہے۔ رمضان میں افضل ہے۔ حدیث میں ہے: "عمرة في رمضان تعدل حجة" رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہے۔ اور ایک روایت میں ہے: "حجة معي" یعنی میرے ساتھ حج کے برابر ہے۔ ملا علی قاری اپنے رسالہ "الأدب في رجب" میں لکھا ہے کہ رجب میں عمرہ سنت ہے۔ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تجدید کعبہ سے ستائیس رجب کو فارغ ہوئے اور اہلِ مکہ کو حکم دیا کہ عمرہ کریں، اسی وقت سے رجب میں عمرہ کرنے کی رسم چلی آرہی ہے۔ رد المحتار میں فتح القدیر سے ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ہجرت کے بعد چار عمرے کیے ہیں۔

**عمرہ سنت ہے اور حج فرض:** دونوں کی ادائیگی کی جگہ مکہ معظّمہ ہے، فرض کی ادائیگی اہم، تو اب بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جسے مکہ معظّمہ جانے کی استطاعت ہے وہ پہلے حج ادا کرے، حج ادا کیے بغیر عمرہ نہ کرے۔ اسی نکتے کو سامنے رکھ کر حضرت عکرمہ نے سوال کیا تھا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ کوئی حرج نہیں۔ خود حضور اقدس ﷺ نے حج ادا کرنے سے پہلے عمرہ کیا ہے، وجہ یہ ہے کہ کبھی بعض موانع کی وجہ سے ایام حج میں سفر نہیں ہو پاتا اور دوسرے ایام میں ہو جاتا ہے، اس لیے اس میں کوئی حرج نہیں کہ جسے توفیق ہو وہ حج سے پہلے عمرہ کر لے۔

ان احادیث سے اور حدیث و سیر کی دوسری کتابوں پر نظر کرنے سے یہی ثابت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے چار عمرے کیے۔ ایک حدیبیہ کے سال، دوسرا سالِ آئندہ، عمرۃ القضاء، تیسرا حنین کے غنائم تقسیم کرتے وقت جعرانہ سے، چوتھا حج کے ساتھ اور ایک حج کیا ہے۔ ان چاروں عمروں میں سے تین حج سے پہلے اور ایک حج کے ساتھ۔ اور صحیح یہ ہے کہ حج کے پہلے والے تینوں عمرے ذو قعدہ میں کیے ہیں۔ رجب اور شوال میں کوئی عمرہ نہیں کیا ہے۔ رجب میں عمرہ کرنے کا قول حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ مگر یہ ان کا نسیان ہے۔ مسلم میں ہے کہ جب حضرت ام المومنین نے ابنِ عمر کی تردید کی تو وہ چپ رہے اور نہ ہاں کہا نہ نہیں۔ اسی طرح جس نے شوال کا قول کیا ہے اسے بھی شبہ ہو گیا، جعرانہ کا عمرہ اوائل ذو قعدہ میں کیا تھا۔ اسی کو بعض حضرات نے شوال میں کہہ دیا، حدیبیہ کے موقع پر اگرچہ عمرہ نہیں کر سکے تھے، حدیبیہ سے ہی واپس آ گئے تھے، مگر عمرہ کی نیت سے نکلے تھے، اس لیے اسے بھی ایک شمار کر لیا۔

"قال وسمعت البراء بن عازب رضى الله تعالىٰ عنه يقول اعتمر رسول الله ﷺ في ذى القعدة قبل ان يحج مرتين."

ترجمہ: ابو اسحاق نے فرمایا کہ میں نے براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا وہ کہتے

تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے حج سے پہلے دوبار ذوقعدہ میں عمرہ کیا۔

**وضاحت مرتین:** حضرت براء نے جو فرمایا کہ دو عمرے کیے ان سے یا تو حدیبیہ والا عمرۃ القضاء مراد ہے، اس لیے کہ جعرانہ والا رات میں چپکے سے کیا تھا، جس کا علم سب کو نہیں تھا۔ یا یہ کہ ان کی مراد عمرۃ القضاء اور جعرانہ والا ہے، اس لیے کہ حدیبیہ والے سال میں عمرہ نہیں کر پائے تھے۔ حدیبیہ ہی سے قربانی کر کے احرام کھول کر چلے آئے تھے، اور حج والا عمرہ حج کے ساتھ تھا، اس لیے اسے علاحدہ شمار نہیں کیا۔ حضرت براء کی مراد یہ ہے کہ صرف دو عمرے کیے۔

(نزہۃ القاری، شرح صحیح البخاری، ج:۴، ص:۴۲۱ تا ۴۲۶، ملخصًا)

**آفاقی اور مکی کے لیے عمرہ:** البتہ مکیوں کو بہت سے فقہانے عمرہ سے منع کیا ہے اور کراہت کا حکم بھی دیا ہے بلکہ بعض فقہانے مکیوں کو اشہرِ حج میں عمرہ کرنے کو معصیت اور گناہ قرار دیا ہے۔ اس سلسلے میں فقہاے احناف کی بحثوں کو پڑھنے کے بعد واضح ہوجاتا ہے کہ یہ مسئلہ دو چیزوں کے بارے میں کافی مختلف فیہ ہے کہ مکیوں کو اشہرِ حج میں عمرہ کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور جو آفاقی عازم تمتع عمرہ کرنے کے بعد مکہ مکرمہ میں اقامت پذیر ہے قبل حج دیگر عمرہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

(۱) کتب فقہ میں مذکور ہے کہ مکیوں کو اشہرِ حج میں عمرۂ مفردہ کرنا درست ہے عمرۂ مفردہ کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اشہرِ حج میں صرف عمرہ ہی کرے اور حج کو نہ جائے تو اس کا یہ عمرہ صحیح اور درست ہوگا اس شرط کے ساتھ کہ اس سال حج نہ کرے اشہرِ حج میں عمرہ کے بعد اگر وہ حج بھی کرے گا تو یقیناً وہ اساءت و گناہ کا مرتکب ہوگا اور اس پر دم واجب ہوجائے گا۔

"المسلک المتقسط" میں ملا علی قاری فرماتے ہیں:

(و يكره فيها) أي في اشهر الحج (الاعتمار لكل من كان بمكة) سواء يكون مكيا أو آفاقيا سكن بها، خوفا من أن يحجّ بعده في تلك السنة فيصير متمتعا مسيئا لمخالفته السنة (أوداخل الميقات) أي لقوله تعالى :"ذٰلك لمن لم يكن أهله حاضري المسجد الحرام "الا أن الآية انما تدل على اختصاص التمتع وما في معناه من القِران ، دون العمرة المفردة من غير اقترانها بحجة في تلك السنة. (المسلك المتقسط ،ص:۲۶۲)

چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک:

ملا علی قاری اور حضرت علامہ شامی یا اس قسم کے دیگر اجلۂ فقہاے کرام ان کی شانیں بہت بلند ہیں اور میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ عزوجل اپنے ان مقرب بندوں کے صدقے اور طفیل میں میری مغفرت فرمادے گا۔ (آمین) زیر بحث مسئلے میں اس مقام پر مجھے ایک بات سمجھ میں آرہی ہے اگر حق و صواب ہو تو اللہ عزوجل کی طرف سے ہے اور اگر وہ غلط ہو تو میری طرف سے ہے اور شیطان کی طرف سے۔..............

اقول: و بالله التوفيق، مکی الاصل کے لیے اشہرِ حج میں عمرہ کرنے کے بارے میں صاحب "بدائع الصنائع" نے ارشاد فرمایا ہے کہ مکی کے لیے اشہرِ حج میں عمرہ کرنا معصیت اور گناہ ہے، صاحب "البحر الرائق" نے فرمایا کہ صاحب بدائع کی یہ بات محمول ہے اس صورت پر جب کوئی مکی اشہرِ حج میں عمرہ کرے اور پھر اسی سال حج بھی کرلے تو بلاشبہ وہ معصیت کے ارتکاب کی وجہ سے گنہ گار بھی ہوگا اور اس کے اوپر جرم کی پاداش میں دم بھی لازم ہوگا۔ نیز مکی نے اشہرِ حج میں عمرے کا احرام باندھا اور اسی سال حج کا بھی ارادہ ہے تو کیا ایسے شخص کے مرتکب معصیت اور آثم و گنہ گار ہونے میں کوئی شک اور شبہ ہے؟ کیا یہی اللہ عزوجل کا منہی عنہ، عین تمتع نہیں ہے؟ جو مکیوں کے لیے ممنوع ہے۔

اللہ عزوجل نے "ذلك لمن لم يكن اهله حاضري المسجد الحرام" فرمایا ہے۔ اسی بنیاد پر تو مکی کو جس نے عمرہ کے بعد اسی سال حج بھی کرلیا ہے تو فقہانے فرمایا ہے: "لزمه دم جناية لادم شكر" اور اگر مکی نے اشہرِ حج میں عمرہ کیا اور اس کا ارادہ اسی سال حج کا نہیں ہے اور حج بھی نہیں کیا تو ایسا مکی اشہرِ حج میں عمرہ کرنے کی وجہ سے گنہ گار نہیں ہوگا اس لیے کہ مکی اور آفاقی اشہرِ حج میں عمرہ کی اجازت میں برابر ہوں گے۔

درج بالا تقریر علامہ زین بن نجیم کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:

فالحاصل أن المكى اذاأحرم بعمرة فى اشهر الحج فان كان من نيته الحج من عامه فانه يكون آثما لأنه عين التمتع المنهى عنه لهم،فان حج من عامه لزمه دم جناية لا دم شكر ،وان لم يكن من نيته الحج من عامه و لم يحج فانه لا يكون آثما بالاعتمار فى اشهر الحج لأنهم وغيرهم سواء فى رخصة الاعتمار فى أشهر الحج . وما فى البدائع من أن الأعتمار فى أشهر الحج للمكى معصية محمول على ما اذاحج من عامه واذا قرن فانه يكون آثما ايضا و يلزمه دم جناية .(البحر الرائق ،ج:۲ ،ص: ٦٤١، باب التمتع)

بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ اشہر حج میں مکی کے لیے صرف عمرۂ مفردہ کرنے کا ارادہ ہو تو وہ صرف عمرۂ مفردہ کر سکتا ہے اس شرط کے ساتھ کہ اسی سال حج نہ کرے۔

(۲) آفاقی عازم تمتع کے لیے عمرہ کرنے کے بعد قبل حج دیگر عمرہ کرنا شدید مختلف فیہ ہے حضرت ملا علی قاری، خاتم المحققین علامہ ابن عابدین شامی اور ان جیسے دیگر محققین عمرہ کرنے کی اجازت دیتے ہیں اور ان حضرات کے علاوہ دیگر محققین نے قبل حج عمرہ کرنے کو منع کیا ہے۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت جیسی عبقری شخصیت قبل حج متمتع کو عمرہ کرنے کے لیے اگر اجازت ہوتی تو ضرور ذکر فرماتے اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سکوت فرمایا ہے۔

خاتم المحققین علامہ ابن عابدین شامی "رد المحتار" میں لکھتے ہیں:

"وهٰذا المتمتع آفاقي غير ممنوع من العمرة فجاز له تكرارها لأنها عبادة مستقلة أيضا كالطواف".

(ردالمحتار، ج:۲، ص:٦٤٢)

ملا علی قاری نے فرمایا:

"والظاهر أن المتمتع بعد فراغه من العمرة لا يكون ممتنعا من اتيان العمرة، فانه زيادة عبادة، و هو و ان كان في حكم المكي الا أن المكي ليس ممنوعا عن العمرة فقط على الصحيح، و انما يكون ممنوعا عن التمتع كما تقدم." (المسلك المتقسط، ص:۳۸۱)

فقیہ اعظم ہند شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ کا تفقہ اور فقہ و افتا میں ژرف نگاہی، دقت نظری اہل علم کے درمیان مشہور و معروف ہے ذکر کردہ مسئلے کے تعلق سے "نزہۃ القاری فی شرح البخاری" میں رقم طراز ہیں۔

**متمتع کا قبل حج عمرہ:** ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ متمتع اپنے عمرہ سے فارغ ہو کر حج سے پہلے مزید عمرے کر سکتا ہے یا نہیں، مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے "انوار البشارۃ" میں فرمایا: اب یہ سب حجاج (قارن، متمتع، مفرد) کوئی بھی ہو کہ منیٰ جانے کے لیے مکہ معظمہ میں آٹھویں تاریخ کا انتظار کر رہے ہیں، ایام اقامت میں جس قدر ہو سکے نِرا طواف بے اضطباع و رمل و سعی کرتے رہیں، باہر والوں کے لیے یہ سب سے بہتر عبادت ہے، اور ہر سات پھیروں پر مقام ابراہیم علیہ الصلاۃ و التسلیم میں دو رکعت نماز پڑھیں۔

مقام اس کا مقتضی تھا کہ اگر اس وقت عمرے کی اجازت ہوتی تو اسے بھی ضرور ذکر فرماتے، جیسا کہ حج سے فراغت کے بعد خصوصی ہدایت فرمائی، لباب میں یہی ہے کہ متمتع کو ان ایام میں عمرہ ممنوع ہے، اگر کرے گا، دم واجب ہوگا، مگر اسے نقل کر کے علامہ شامی "منحۃ الخالق" میں لکھتے ہیں:

"قال شارحه والظاهر أنه يجوز له الاتيان بالعمرة حينئذ لأنه غير ممنوع منها لكراهتها في الأزمنة المخصوصة و انما كرهت العمرة للمكي في اشهر الحج لان الغالب أنه يحج فيبقى متمتعا مسيئا".

ترجمہ: لباب کے شارح نے کہا: ظاہر یہ ہے ان دنوں اسے عمرہ کرنا جائز ہے، کیوں کہ عمرہ مخصوص دنوں میں ممنوع ہے اور یہ ایام ان میں نہیں، مکی کو اشہر حج میں عمرہ اس لیے ممنوع ہے کہ غالب یہ ہے کہ وہ حج کرے گا، اگر اشہر حج میں عمرہ کرے گا تو گھر جانے کی وجہ سے اساءت کا مرتکب ہوگا۔

اور اس خادم کے نزدیک بھی یہی ظاہر ہے، مگر اختلاف علما سے بچنا اولیٰ ہے، غالبا اسی وجہ سے اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے سکوت فرمایا۔ (نزہۃ القاری، ج:۴، ص:۲۹۵، کتاب المناسک)

☆☆☆

# حج فرض ہوتے ہوئے صرف عمرہ کرنے کا شرعی حکم

از: **محمد مبشر رضا ازہر مصباحی**، صدر مفتی نوری دارالافتا، سنی جامع مسجد کوٹر گیٹ بھیونڈی/شیخ الحدیث جامعہ رضویہ کلیان

حج اسلام کا ایک اہم رکن اور بنیادی ستون ہے۔ چناں چہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ارشاد فرماتے ہیں:

بني الاسلام على خمس شهادة ان لااله الا الله وانا محمدرسول الله واقام الصلوة وايتاء الزكوة والحج وصوم رمضان.

ترجمہ: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے (۱) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے

رسول ہیں (۲) نماز قائم کرنا (۳) زکوۃ دینا (۴) حج (۵) ماہ رمضان کے روزے۔[صحیح البخاری، ج:۱، ص:۶]

اسلام میں فریضۂ حج وہ مخصوص عبادت ہے جس میں بندے کو مالی مشقت کے ساتھ ساتھ جسمانی اور بدنی صبر آزما مصائب والام سے بھی دو چار ہونا پڑتا ہے، اسی لیے اس فریضے کی ادائیگی عند اللہ کثیر انعامات و اکرامات اور بے پناہ نوازشات کا سبب ہے اور اللہ تعالی بندۂ حاجی کو دنیا وآخرت دونوں جہان میں اپنی خصوصی رحمت اور مخصوص عفو وغفران سے سرفراز فرماتا ہے، ذخائر احادیث کا بنظر عمیق مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حج کی فضیلت واہمیت اور اس پر ملنے والے اجر وثواب پر کثیر احادیث طیبہ شاہد عدل ہیں، ذیل میں چند احادیث ملاحظہ کریں۔

بخاری شریف میں حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے بیان فرمایا کہ:

سمعت النبی ﷺ یقول: من حج لله فلم یرفث ولم یفسق رجع کیوم ولدته امه.

ترجمہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: جس نے حج کیا اور رفث (فحش کلام) نہ کیا اور فسق نہ کیا تو گناہوں سے پاک ہو کر ایسا لوٹا جیسے اس دن ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔

(صحیح البخاری، کتاب المناسک باب فضل الحج المبرور، ص:۲۰۶)

سنن ترمذی میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

تابعوا بین الحج والعمرة فانهما ینفیان الفقر والذنوب کما ینفی الکیر خبث الحدید والذهب والفضة ولیس للحجة المبرورة ثواب الا الجنة.

ترجمہ: حج اور عمرہ کی پابندی کرو کہ حج و عمرہ محتاجی اور گناہوں کو ایسے دو کرتے ہیں، جیسے بھٹی لوہے اور چاندی اور سونے کے میل کو دور کرتی ہے اور حج مبرور کا ثواب جنت ہی ہے۔

[جامع ترمذی، ابوب الحج، باب ماجاء فی ثواب الحج والعمرة، الحدیث:۸۱۰]

مسلم شریف میں حضرت سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

"ان الحج یهدم ماکان قبله."

ترجمہ: حج ان گناہوں کو دفع کر دیتا ہے جو پیشتر ہوئے ہیں۔

[صحیح مسلم، کتاب الایمان، ج:۱، ص:۷۶]

بلا ریب وارتیاب حج وہ محبوب ترین فریضہ عبادت ہے جس کی ادائیگی پر نہ صرف حج کرنے والا بارگاہ خداوندی سے نوازا جاتا ہے بلکہ اس کے اس محبوب عمل کی وجہ سے دوسروں کو بھی فائدہ پہنچتا ہے۔ ذیل میں چند شواہد ملاحظہ کریں، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"یغفر الله للحاج ولمن استغفر له الحاج."

یعنی حاجی کی مغفرت ہو جاتی ہے اور حاجی جس کے لیے استغفار کرے اس کے لیے بھی۔

(مجمع الزوائد، باب دعاء الحجاج والعمار، الحدیث:۵۲۸۷، ج۳، ص۴۸۳)

فریضۂ حج کی محبوبیت کا اندازہ اس روایت سے بھی لگایا جاسکتا ہے چناں چہ مسند ابو یعلی میں حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو حج کے لیے نکلا اور مر گیا قیامت تک اس کے لیے حج کرنے والے کا ثواب لکھا جائے گا اور جو عمرہ کے لیے نکلا اور مر گیا اس کے لیے قیامت تک عمرہ کرنے والے کا ثواب لکھا جائے گا اور مر گیا تو اس کے لیے قیامت تک غازی کا ثواب لکھا جائے گا۔

(مسند ابی یعلی، مسند ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، الحدیث:۶۳۲۷، ھ۵، ص۴۴۱)

یوں ہی عمرہ قوی ترین سنن دین سے ہے، یہ محبوب وپسندیدہ عمل بھی مالی وبدنی مشقت وحرج پر مشتمل ہے اوراس کے ارکان ارکان حج کے جنس سے پائے جاتے ہیں۔ کتب احادیث میں جابجا اس کی بھی فضیلت واہمیت اوراس پر اجر وثواب کا ذکر ملتا ہے۔ ذیل میں چند احادیث پیش کی جاتی ہیں۔

بخاری ومسلم وغیرہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

ان رسول الله ﷺ قال: العمرة الی العمرة کفارة لما بینهما والحج المبرور لیس له اجر الا الجنة.

ترجمہ: یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عمرہ سے عمرہ تک ان گناہوں کا کفارہ ہے جو درمیان میں ہوئے اور حج مبرور کا ثواب جنت ہے۔[صحیح بخاری، کتاب العمرہ باب وجوب الحج والعمرة، ج:۱، ص:۲۳۸]

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے:

انها سمعت رسول الله ﷺ یقول: من اهل بحجة وعمرة من المسجد الاقصیٰ الی المسجد الحرام غفر له ماتقدم من ذنبه او وجبت له الجنة.

[سنن ابی داؤد، کتاب المناسک، باب مواقیت الحج، ح:۲، ۱۷۴۱/۲۰۱]

یعنی سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: جو مسجد اقصیٰ سے مسجد حرام تک حج یا

عمرہ کا احرام باندھ کر آیا، اس کے اگلے اور پچھلے گناہ سب بخش دیے جائیں گے یا اس کے لیے جنت واجب ہوگی۔

مذکورہ بالا نصوص احادیث رسول سے حج و عمرہ پر مرتب ہونے والے اجر و ثواب اور انعام و اکرام بہت واضح اور عیاں ہیں۔ مگر یہ تمام نوازشات اور الطاف و عنایات اسی وقت ہیں جب کہ ان افعال سے اللہ کی رضا و خوشنودی کا حصول مقصود ہو۔ حدیث شریف میں ہے: انما الاعمال بالنیات یعنی اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے ۔ لہٰذا اگر کسی نے اپنی شہرت و بڑائی اور نام و نمود کے لیے حج یا عمرہ کے افعال انجام دیے تو ہرگز ایسا شخص عند اللہ کچھ اجر و ثواب کا مستحق نہ ہوگا بلکہ بغیر رضائے الٰہی محض شہرت طلبی اور تفوق و برتری کے قصد سے حج یا عمرہ کرنا اور اس پر اجر و ثواب کی امید رکھنا خود کو دھوکا دینا اور اپنی آخرت کو برباد کرنا ہے یہ وقت کا بہت بڑا المیہ ہے کہ دیگر شعبہ ہائے حیات کی طرح حج و عمرہ جیسے متبرک و مقدس شرعی امور کو بھی لوگوں نے عجب و تکبر، نام و نمود اور فیشن کی نذر کردیا ہے، خصوصاً مال داروں اور سرمایہ داروں نے ان پاکیزہ اور بابرکت اسفار کو محض تفریح طبع کا ذریعہ بنالیا ہے ۔ بڑی حیرت و استعجاب کی بات یہ ہے کہ آج ایسے صاحبان ثروت کی کمی نہیں کہ محض اپنے نام و نمود کے لیے عمرہ پے در پے عمرہ کیے جاتے ہیں جبکہ ان پر حج فرض ہوتا ہے اور حج فرض ہوتے ہوئے بھی حج کی ادائیگی کی طرف کچھ توجہ نہیں ہوتی ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ حج فرض ہوتے ہوئے حج نہ ادا کرنا اور پے در پے عمرے کرنا خود کو دھوکا دینے سے کم نہیں کہ عمرہ سنت ہے اور حج فرض ہے ، علما بیان فرماتے ہیں کہ ذمے میں فرض باقی ہوتے ہوئے نفل و سنت مقبول نہیں ہوتے۔

چناں چہ تاجدار ولایت سیدنا غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی اپنے ملفوظات میں ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

"مومن کو چاہیے کہ پہلے وہ فرائض کی ادائیگی میں مشغول ہو، جب فرائض کی ادائیگی سے سبک دوش ہوجائے تو پھر نوافل اور مستحبات کی فکر کرلے، جب تک اس پر عائد فرائض کی ادائیگی مکمل نہیں ہوتی اس کا سنن میں مشغول ہونا حماقت و رعونت ہے اگر وہ فرائض کو چھوڑ کر سنن و نوافل میں مشغول ہوا تو یہ بھی مقبول نہیں ہوں گے اور اس کی اہانت ہوگی، اس کی مثال اس آدمی کی سی ہے جسے بادشاہ اپنی خدمت کا حکم دیتا ہے اور وہ شخص بادشاہ کی خدمت چھوڑ کر بادشاہ کے غلام کی خدمت میں جٹ جاتا ہے، یقیناً بادشاہ اس سے ناراض ہوگا، کیوں کہ اس نے اس کے خادم اور زیر دست کی خدمت کو ترجیح دی"۔ [آداب سلوک، ص:۱۵۴]

نیز شرعی نقطۂ نظر سے حج فرض ہوجانے کے بعد اگر کوئی صحیح عذر شرعی نہ ہو تو اسی سال حج فرض ادا کرنا واجب ہے بلاوجہ شرعی اس میں تاخیر ناجائز و گناہ ہے، امام علاء الدین ابوبکر بن مسعود کاسانی کی بدائع الصنائع میں ہے:

واختلف فی وجوبه علی الفور والتراخی،ذکر الکرخی انه علی الفورحتی یاثم بالتاخیر عن اول اوقات الامکان وهی السنة الاولیٰ عند استجماع شرائط الوجوب[ج:۳،ص:۳٦] .

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

وهو(الحج)فرض علی الفوروهوالاصح فلا یباح له التاخیربعدا لامکان الی العام الثانی کذا فی خزانة المفتیین [ج:۱،ص:۲۱٦]

جو لوگ حج فرض ہوجانے اور دیگر شرائط حج پائے جانے کے باوجود فریضہ حج ادا نہیں کرتے اور اسی حالت میں ان کا انتقال ہوجاتا ہے ، ایسے بندوں کے بارے میں حدیث شریف میں سخت تہدید اور شدید وعید وارد ہوئی ہے۔ چناں چہ حدیث شریف میں حضرت سیدنا ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

قال قال رسول الله ﷺ :من لم یمنعه عن الحج حاجة ظاهرةاوسلطان جائزاومرض حابس فمات ولم یحج فلیمت ان شاء یهودیاوان شاء نصرانیا.

(سنن الدارمی ،کتاب المناسك ،باب من مات و لم یحج ،الحدیث :۱۷۸۵.ج۲،ص٤٥)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جسے حج کرنے سے حاجت ظاہر مانع ہوئی، نہ بادشاہ ظالم، نہ کوئی ایسا مرض جو روک دے، پھر حج کیے بغیر مر گیا تو چاہے یہودی ہوکر مرے یا نصرانی ہوکر۔

لہٰذا جن لوگوں پر حج فرض ہے، انہیں چاہیے کہ سب سے پہلے جلد از جلد اپنا فریضہ حج ادا کریں اور عظیم حق خداوندی سے سبک دوش ہوکر دنیا و آخرت میں عزت و سرخ روئی کے مستحق ہوں، پھر اگر رب تعالیٰ مزید توفیق خیر سے سرفراز فرمائے تو جتنے چاہے عمرے کرے ۔ ان شاء اللہ رب کی عنایتوں کا کامل سزاوار ہوگا۔ وهو الله الموفق والله تعالیٰ اعلم ☆☆☆

## مدیر "تہذیب الاخلاق" علی گڑھ

# ڈاکٹر ابو سفیان اصلاحی کے نام ایک کھلا خط

پروفیسر فاروق احمد صدیقی

مکرمی.... سلام مسنون!

یہ کھلا خط ڈاکٹر ابو سفیان اصلاحی کو "تہذیب الاخلاق" میں اشاعت کے لیے بھیجا گیا تھا، لیکن انھوں نے اس کو اس میں شائع کرنے سے انکار کر دیا، اس لیے ماہ نامہ اشرفیہ میں اشاعت کے لیے بھیج رہا ہوں۔ **فاروق احمد صدیقی**

مکرمی! سلام ورحمت

تہذیب الاخلاق، شمارہ نومبر ۲۰۱۹ء "اقبال نمبر" مطالعہ میں آیا۔ اس کے اکثر مشتملات بہت اہم اور قابل استفادہ ہیں لیکن سر دست مجھے صرف آپ یعنی جناب ابو سفیان اصلاحی کے مضمون "افکار اقبال - تحلیل و تجزیہ" کے تعلق سے کچھ کہنا ہے۔ لکھتے ہیں:

> "یہ بات آچکی ہے کہ علامہ اقبال کے بہت سے خیالات سے ہم آہنگی جتانا ناممکن نہ ہوگا۔ انہیں میں سے یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ اولاد نرینہ کی خواہش سر ہند لے کر جاتی ہے۔ دین اسلام کے نقطۂ نظر سے اس کے لیے قبور پر حاضری کے لیے شدر حال ناجائز ہے۔ علامہ فکر صالح کے حامل تھے۔ قرآن میں اس کی قطعاً گنجائش نہیں ہے کہ استمداد و استعانت کے لیے دہلیز خداوندی کے سوا کسی اور دہلیز پر حاضری دی جائے۔"

(ماہنامہ تہذیب الاخلاق، نومبر ۲۰۱۹ء، ص ۱۷۸)

اقتباس بالا میں آپ کے فکر و فہم نے کئی مقامات پر ٹھوکریں کھائی ہیں۔ آپ کے مطابق دین اسلام کے نقطۂ نظر سے قبور پر حاضری کے لیے شدر حال ناجائز ہے۔ آپ یہ بتانے کی زحمت گوارا فرمائیں کہ قرآن میں یہ کہاں لکھا ہوا ہے کہ قبور پر حاضری کے لیے شدر حال ناجائز ہے۔ احکام شریعت کا ماخذ اول قرآن کریم ہے اور دوسرا احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم۔ آپ حوالوں سے بتائیں کہ قرآن واحادیث میں قبروں پر حاضری کے لیے کہاں ممانعت آئی ہے؟ .... صرف ہوائی باتیں کرنا یہ پڑھے لکھے لوگوں کا شیوہ نہیں ہے۔ شدر حال والی حدیث سے صرف اتنا ثابت ہے کہ تین مساجد یعنی مسجد حرام، مسجد نبوی، اور مسجد اقصیٰ کے علاوہ کسی اور مسجد کے لیے بہ نیت ثواب شدر حال جائز نہیں۔ یہ اہل علم جانتے ہیں کہ یہاں پر مستثنیٰ مفرغ کلام غیر موجب میں واقع ہے تو اس صورت میں مستثنیٰ منہ محذوف کو مطلقاً عام نہیں رکھا جائے گا بلکہ مستثنیٰ منہ کا مستثنیٰ کی جنس سے ہونا ضروری ہوگا اور چوں کہ یہاں پر مستثنیٰ مساجد ثلاثہ ہیں تو اس لیے مستثنیٰ منہ کو بھی اس کی جنس سے یعنی مسجد ماننا پڑے گا۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان تینوں مسجد کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف بہ نیت ثواب سفر کرنا جائز نہیں، کیوں کہ بقیہ مساجد میں نماز کا ثواب برابر ہے۔ آپ اگر اس میں مزارات کو داخل کرتے ہیں تو مسئلہ بڑا پیچیدہ اور سنگین ہو جائے گا۔ یعنی کہ حصول معاش کے لیے سفر تجارت، تاریخی مقامات کے لیے سیاحت یہاں تک کہ تحصیل علم و فن کے لیے بھی شدر حال ناجائز ہو جائے گا۔ جس سے کوئی بھی سنجیدہ اور تعلیم یافتہ شخص اتفاق نہیں کرے گا۔

اس لیے حدیث زیر بحث میں قبور اور مزارات کو شامل کرنا ایجاد بندہ ہے اور اپنی طرف سے حدیث رسول کی غلط تعبیر و تشریح کے مترادف ہے۔ اس طرح سے آپ کا یہ اعتراض بالکل لغو، بے اصل اور بے اساس ثابت ہو جاتا ہے۔ اور جہاں تک کہ استمداد و استعانت کے لیے دہلیز خداوندی کے سوا کسی اور دہلیز پر حاضری دینے کی بات ہے تو اس سلسلے میں خود قرآن پاک نے ہمیں ترغیب دی ہے کہ: یا ایھا الذین أمنوا ابتغوا الیه الوسیلة یعنی اے مسلمانو! اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔ اس سلسلہ میں معترضین یہ استدلال کرتے ہیں کہ یہاں پر وسیلہ سے عمل صالح مراد ہے۔ میں بھی اس سے انکار نہیں کرتا۔ مگر عمل صالح مقبول ہے یا مردود، دنیا میں اس کی گواہی کون دے گا؟ اولیاے کرام اور بزرگان دین تو اللہ کے محبوب و مقرب ہیں، اس کی گواہی تو سارے عالم کے مسلمان دیتے ہیں اور دیں گے، حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ کے آستانے پر آخر لاکھوں کی بھیڑ کیوں اکٹھا ہوتی ہے؟ کیا بخاری شریف میں یہ حدیث پاک نہیں ہے کہ اللہ تعالی جب کسی بندے کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرماتا ہے:

> "میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں، تم بھی اس سے محبت کرو تو جبرئیل بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور اہل

آسمان میں ندا کرتے ہیں کہ فلاں بندے سے اللہ تعالیٰ محبت فرماتا ہے تم سب بھی ان سے محبت کرو! تو اہل آسمان بھی ان سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر تو زمین پر بھی اس کی مقبولیت بڑھ جاتی ہے۔

چنانچہ غوث و خواجہ اور دیگر اکابرین اولیاء اللہ کے مزارات پر استمداد و استعانت اور توسل کے لیے جو بھیڑ اکٹھی ہوتی ہے اس کا یہی راز ہے۔ اس لیے وسیلے کو غلط اور گمراہی قرار دینا قرآن و حدیث کی تعلیمات سے بے تعلقی اور ناواقفیت کی بین دلیل ہے۔ بزرگان دین کے مزارات سے فیض و برکات حاصل کرنا تمام اکابر و اسلاف کا طریقہ رہا ہے اور علامہ اقبال ایک سچے مرد مومن کی طرح اپنے اسلاف اور اخیار امت کی سچی متابعت میں ہی سرہند شریف حضرت مجدد الف ثانی کے مزار پر گئے اور ان کے توسل سے بارگاہ خداوندی میں اولاد نرینہ کی التجا کی جو واقعی پوری بھی ہوگئی۔ یہی جمہور امت کا عقیدہ و مسلک ہے۔ چنانچہ مولانا شبیر احمد عثمانی فاضل دیوبند نے اپنی تفسیر میں بعینہ یہی بات کہی ہے ملاحظہ ہو:

> اور اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ اس کی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے۔ ہاں اگر مقبول بندہ کو محض واسطۂ رحمت الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت در حقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے۔" (بحوالہ ترجمہ قرآن، از مولانا محمود حسن دیوبندی ص ۳ مطبوعہ شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس، سعودی عربیہ)

عقیدۂ استعانت میں اگر حکومت سعودی عرب کا اختلاف ہوتا تو ہرگز ہرگز سعودی عرب سے اس ترجمۂ قرآن کی اشاعت و طباعت نہیں ہوتی، سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمارے اصلاحی صاحب کس عقیدے و مسلک کے حامل ہیں کہ روز روشن کی طرح عیاں ایک حقیقت کو تسلیم کرنے سے گریزاں نظر آتے ہیں۔ اس طرح کا منفی استدلال جو اصلاحی صاحب کرتے ہیں، ہمارے برصغیر ہند و پاک میں وہابی لوگ کرتے ہیں۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ اصلاحی صاحب کے ذہن و قلم نے وہابیت کے مسموم ماحول میں تربیت پائی ہو اور اگر خدانخواستہ ایسا ہی ہو تو پھر آپ سے کوئی تعرض نہیں۔ اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام شرف الدین بوصیری (ساتویں صدی ہجری کے مصری عالم) کا یہ شعر آپ کی نذر کردوں۔

یا اکرم الخلق مالي من الـوذبـــه
سواك عند حلول الحادث العمم

اے مخلوق میں سب سے زیادہ عزت و اکرام والے آقا ﷺ آپ کے سوا میرے لیے کوئی نہیں کہ جن سے ہر مصیبت کے وقت التجا کروں)

مولانا جامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

زمہجوری برآمد جان عالم
ترحم یا نبی اللہ ترحم

حاجی امداد اللہ مہاجر کی علیہ الرحمہ بارگاہ رسالت میں استعانت کرتے ہیں۔

شفیع عاصیاں تم ہو، وسیلہ بے کساں تم ہو
تمہیں اب چھوڑ کر جاؤں کہاں میں یارسول اللہ
سخت مشکل میں پھنسا ہوں آج کل
اے مرے مشکل کشا فریاد ہے
زمرۂ رائی در افتاد بارباب سخن
شیخ سنت مددے قاضی شوکاں مددے

تمام اسلاف و اکابر کا یہی عقیدہ و مسلک رہا ہے اس لیے بزرگان دین سے توسل اور استمداد و اعانت کو خلاف شرع قرار دینا سخت ضلالت ہے۔

اصلاحی صاحب نے اپنے مضمون میں ایک اور مقام پر جو اسی صفحے پر ہے سخت ٹھوکریں کھائیں ہیں۔ وہ رقم طراز ہیں:

> "جب سلطان بن سعود نے حجاز پر قبضہ کیا اور تطہیر حرمین میں مشغول ہوگئے تو علامہ نے ان کی حمایت کا اعلان صادر کیا تو مولوی دیدار نے "آفتاب" اور "رام" کے عنوان سے نظموں کو بہانا بنا کر اقبال پر کفر کا فتویٰ صادر کردیا۔ جس پر عوام نے سخت برہمی کا اظہار کیا اور مولوی صاحب کو مطعون بنانے میں عامۃ الناس نے کسی تساہلی کا ثبوت نہیں دیا۔ اس طرح بریلوی مکتب فکر کو ندامت کا سامنا کرنا پڑا۔" (ایضاً، ص:۱۷۸)

قارئین کرام! اطلاعاً عرض ہے کہ اصلاحی صاحب نے یہاں حق و باطل کے درمیان خلط ملط کردیا ہے۔ انہوں نے اصل واقعہ کی تہ تک پہنچنے کی کوشش نہیں کی اور سنی سنائی باتوں پر اعتماد کرکے مولانا سید دیدار علی صاحب علیہ الرحمہ کے فتوے کی تضحیک کردی اور بریلوی مسلک کے خلاف منفی تبصرے کردیے۔ سچی بات یہ ہے کہ حضرت مولانا سید دیدار علی علیہ الرحمہ نے نہ علامہ اقبال کی تکفیر کی اور نہ کسی اور کی۔ اس سلسلے میں اور یجنل استفتا ملاحظہ ہو:

> کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور حامیان شرع متین اس مسئلے میں کہ ایک شخص اشعار میں آفتاب کو خدائی صفت کے ساتھ متصف کرے اور اس سے مرادیں طلب کرے، آخرت پر یقین نہ رکھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر سے استہزا کرے، علمائے کرام اور پیران عظام پر آوازیں کسے اور انہیں برے خطابات سے یاد کرے، **(باقی ص:۴۰ پر)**

# امریکہ میں نعتیہ شاعری کے فلک کا چاند

# قمر بستوی

غوث سیوانی

دلوں کی دھڑکنوں کو تیز کر ڈالا قمؔر تو نے
بیانِ سیدِ والا سنایا ہی کچھ ایسا ہے

امریکہ نشیں شاعر حضرت قمؔر بستوی کا یہ شعر تعلّی نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے۔ وہ زودگو کے ساتھ ساتھ ایک پُرگو اور قادرالکلام شاعر ہیں اور ان کی شاعرانہ عظمت مسلم ہے۔ وہ ایک باصلاحیت اور ذی علم شخص ہیں اور کسی بھی صنف شاعری میں بہت اونچے معیار کا ادب دے سکتے ہیں مگر خود کو حمد و نعت کے لیے وقف کر رکھا ہے۔ وہ نعتیں محض اس لیے نہیں لکھتے کہ یہ ایک صنف ادب ہے بلکہ اسے عبادت اور جزو ایمان مانتے ہیں۔ ان کی نظم و نثر کے مضامین اسی کے گرد گھومتے ہیں اور تحریر و تقریر کا مقصد اصلی نعت گوئی ہی ہے۔ انھوں نے غزل، نظم، مسدس، قطعات، رباعی، قصیدہ وغیرہ کے فارم میں نعتیں کہی ہیں اور فن کا حق ادا کیا ہے حالانکہ نعت گوئی کا حق تو کبھی ادا ہی نہیں ہو سکتا۔

فکرِ قمؔر ہے سر افگندہ، وصفِ نبی کیا نظم کرے
لفظ ہو ان کی ذات کے شایاں، کیا ایسا ہو سکتا ہے؟

یوں تو جب سے امریکہ میں مسلمانوں کے قدم پہنچے ہیں تب سے یہاں صنف نعت بھی پھل پھول رہی ہے مگر ۱۹۵۰ء کی دہائی سے اس میں اضافہ ہوا جب بھارت اور پاکستان سے بڑی تعداد میں مسلمان، تلاش معاش میں سات سمندر پار پہنچے۔ ان کی بڑی تعداد امریکہ کے بڑے شہروں، نیویارک، کیلیفورنیا، شکاگو، ٹکساس، ہوسٹن، واشنگٹن، مشی گن وغیرہ میں رہائش پذیر ہوئی۔ ان میں شعرا بھی شامل تھے جنھوں نے دوسری اصناف ادب کے ساتھ ساتھ نعتیں بھی لکھیں۔ امریکہ میں جن اردو شعراء و شاعرات نے صنف نعت میں طبع آزمائی کی ان میں نمایاں نام صلاح الدین ناصر (نیویارک)، حامد امروہوی (شکاگو)، رشید عیاں (نیویارک) مخفی امروہوی (شکاگو)، سیما عابدی (شکاگو)، صوفی امان خان دِل (نیویارک) سید ظفر حسین نقوی (ہیوسٹن ٹکساس) سلطانہ مہر (لاس اینجلس) سید اللہ بخش ساؔز (کیلی فورنیا)، ڈاکٹر توفیق انصاری احمؔد (شکاگو)، ایس۔ زیڈ حسن (شکاگو) اور قمؔر بستوی (ہیوسٹن) کے ہیں مگر آخر الذکر کی حیثیت اس میدان میں اس لیے ممتاز ہے کہ انھوں نے شاعری کی دوسری اصناف کے بجائے پوری توجہ صرف حمد و نعت پر مرکوز رکھی۔

حضرت قمؔر بستوی کے کم از کم آٹھ نعتیہ مجموعے شائع ہو چکے ہیں یا زیر طبع ہیں۔ جو باتیں انھیں دوسرے شعرا سے ممتاز کرتی ہیں وہ یہ ہیں کہ وہ ایک متبحر عالم دین، مقرر ذی متین، ترجمان شرع مبین اور لاجواب نثر نگار کے ساتھ ساتھ سرزمین امریکہ پر عشق رسول کے مبلغ ہیں۔ وہ ان شعرا میں سے نہیں ہیں جن کے لیے نعتیہ شاعری محض ایک صنف سخن ہو بلکہ ان کے لیے نعت گوئی ایمان وایقان کا حصہ ہے۔

ان کی محبت جانِ ایماں، رب جس کو تفویض کرے
بے اس کے ہو کامل ایماں کیا ایسا ہو سکتا ہے؟

نعت گوئی ایک مشکل صنف ہے۔ کوئی محض عقیدت اور طبع موزوں کے ساتھ نعتیہ اشعار نہیں کہہ سکتا۔ اس کے لیے دینی علم اور شرعی حدود سے واقفیت لازمی ہے تاکہ اس کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھا جا سکے۔ معروف نقاد فرمان فتح پوری رقم طراز ہیں:

"نعت کا موضوع ہماری زندگی کا ایک نہایت عظیم اور وسیع موضوع ہے۔ اس کی عظمت و وسعت ایک طرف عبد سے اور دوسری طرف معبود سے ملتی ہے۔ شاعر کی فکر میں ذرا سی لغزش ہوئی اور وہ نعت کے بجائے گیا حمد و منقبت کی سرحدوں میں۔ اس لیے اس موضوع کو ہاتھ لگانا اتنا آسان نہیں جتنا عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ حقیقتاً نعت کا راستہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے۔" (نقوش: رسول نمبر، لاہور، ج۱۰، ص۲۵)

حضرت قمر بستوی چونکہ خود ایک عالم دین ہیں لہٰذا وہ نعت کی سرحد و سیما سے واقف ہیں اور تلوار کی دھار پر انتہائی مہارت کے ساتھ

چلتے ہیں۔ نعت اور حمد کے فرق کو ایک ایک مصرع میں وہ کس مہارت ساتھ نبھاتے ہیں اس کی مثال ذیل کے اشعار میں دیکھ سکتے ہیں:

میرے حرفوں کو معنیٰ کی تنویر دے
فکر کو میرے تقویٰ کی تطہیر دے
حمد تیری لکھوں، نعت سرکار کی
سوزدل کی خدا اس میں تاثیر دے
مدحتِ مصطفیٰ میں چلے جب قدم
میرے حرفوں کو آداب و توقیر دے
ذکرپاک نبی میں زباں تر رہے
وہ تکلم دے مجھ کو وہ تقریر دے

بعض شعرا کے نعتیہ کلام میں بکثرت محاورات ، مصطلحات ، ضرب الامثال، اقوال، صنائع وبدائع کا استعمال دیکھنے کو ملتا ہے مگر جناب قمرؔ بستوی کی شاعری عموماً سادہ اور سلیس ہوتی ہے، جو عام قاری کی فہم وادراک کے قریب محسوس ہوتی ہے۔ باوجود اس کے مضامین میں گہرائی اور گیرائی ہے۔

تخلیقِ کائنات کا عنواں حضور ہیں
اصلِ وجودِ عالم امکاں حضور ہیں
ہرپھول میں ہے حسنِ جمالِ محمدی
ہر گلستاں کی فصلِ بہاراں حضور ہیں
ادھر بھی کیجئے چشم کرامت یارسول اللہ
گدا کو دیجیے اب پھر اجازت یارسول اللہ

قمرؔ بستوی نے بہت سی نعتوں میں مشکل زمین کا بھی انتخاب کیاہے۔ کہیں قافیہ مشکل ہے تو کہیں ردیف کو نبھانا آسان نہیں مگر دلچسپ بات یہ ہے ،مضامین پھر بھی گنجلک یا مبہم نہیں ہیں بلکہ ایسی نعتوں میں پرواز خیال زیادہ بلند نظر آتی ہے۔

عطا ہوئی ہے انھیں اختیار کی چادر
تنی ہوئی ہے نبی کے وقار کی چادر
چمک اٹھا ہے مرا جسم کہکشاں کی طرح
جو اوڑھی شہرِ نبی کے غبار کی چادر
حرا سے پھوٹی جو حق ترجمان کی خوشبو
زبانِ وحی سے بکھری دہان کی خوشبو
لگائی گھر میں جو تصویرِ گنبدِ خضریٰ
بکھر رہی ہے ہر اِک سو مکان کی خوشبو
چمک اٹھی مری تنہائیِ شب
مہک اٹھی مری لیلائیِ شب
دلِ مہجو جا پہنچا مدینہ
سمٹ کر رہ گئی پہنائیِ شب
کہاں تھا خلد تھی یا شہر بطحا
بڑی دلگیر تھی رعنائیِ شب

نعتیہ شاعری کے لیے محض طبع موزوں اور زبان وبیان پر دسترس کافی نہیں، ورنہ شاعری، قافیہ پیمائی بن کر رہ جاتی ہے۔ اس کا سب سے بنیادی عنصر، محبت رسول ہے۔ ظاہر ہے کہ پہلا نعت خوان نبی ، خود اللہ تبارک وتعالیٰ ہے، جس نے قرآن کریم اور دیگر آسمانی صحیفوں میں نبی پاک ﷺ کی مدح خوانی بے حد محبت سے فرمائی ہے۔ گویا جب کائنات کا وجود نہ تھا' چرند وپرند کی تخلیق نہیں ہوئی تھی' زمین کا فرش نہ بچھا تھا اور آسمان کے شامیانے نہیں لگے تھے، جنت ودوزخ، حور وغلماں، لوح وقلم اور عرش وکرسی، کسی کا وجود نہ تھا، تب بھی محبت رسول کے ساتھ ہی نعت خوانی کی گئی تھی اور آج بھی وہی شعراء اس میدان میں کامیاب ہیں جن کے دل اس نعتِ عظمیٰ کی آماجگاہ ہیں۔ قمرؔ بستوی خود سنت رسول کا پیکر ہیں جو اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کا دل، عشق رسول کے نور سے معمور ہے۔

وہی تو لے کے تجھ کو خلد میں بے خوف جائے گا
قمرؔ تو نے نبی کا عشق جو دل میں بسایاہے

راقم الحروف موصوف کو ۱۹۸۲ سے جانتاہے اور تقریباً چار سال تک ان کے زیر تربیت رہنے کی خوش نصیبی حاصل ہوئی۔ اس دوران کبھی بھی دینی معاملات میں تساہلی کرتے، یا سنت رسول سے غفلت برتتے نہیں دیکھا۔ اکثر نعت خوانی کی محفلوں میں ان کی آنکھیں نم ہوتی دیکھی ہیں اور جب بھی ذکر مدینہ، ان کی زبان سے سنا آواز گلوگیر ہوتی محسوس کی ہے۔

ذراسا فاصلہ ہے ان کے در کا دیدۂ تر سے
اِدھر آنکھیں ہوئیں نم دل مچل کر چل دیا گھر سے
یہ کہکر اس نے میرے دل کی دھڑکن تیز کر ڈالی
ابھی میں لوٹ کے آیا ہوں کل، سرکار کے در سے

علامہ مفتی محمد قمرالحسن قمرؔ بستوی بنیادی طور پر ایک ہندوستانی ہیں جو گزشتہ تیس برسوں سے امریکہ میں مقیم ہیں اور اب وہاں کے شہری بھی

ہو چکے ہیں۔ اتر پردیش کا ضلع بستی ان کا آبائی وطن ہے۔ وہ نصاب نظامیہ وعالیہ کے مطابق فاضل ہیں نیز لکھنو یونیورسٹی وعلی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے فارسی اور عربی میں ایم اے ہیں۔ انھوں نے الجامعہ الاشرفیہ مبارک پور (اعظم گڑھ) اور الجامعہ الاسلامیہ روناہی، (فیض آباد) سے تعلیم پائی ہے۔ ان کی تحریر ہی شستہ وشائستہ ہی نہیں ہوتی بلکہ ان کی بولنے کی زبان بھی انتہائی فصیح وبلیغ اور عالمانہ ہے۔ وہ اردو میں گفتگو کرتے ہیں یا خطابت کرتے ہیں تو گویا زبان کا حق ادا کر دیتے ہیں اور امریکہ میں ایک طویل مدت سے قیام کے باجود تقریر کے دوران انگلش کا ایک لفظ زبان پر نہیں آتا۔ ظاہر ہے کہ اس کا اثر ان کی شاعری کی زبان میں بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ ذیل کے اشعار ملاحظہ کریں جن میں مضمون آفرینی اور فکر وخیال کی بلندی ہی نہیں بلکہ زبان کے حسن کی چھٹا بھی بکھرتی نظر آرہی ہے۔

نگاہوں میں دیار سید والا سمایا ہے
زباں پر اللہ اللہ نام نامی ان کا آیا ہے
انھیں کا ذکر ہے گلشن میں، صحرائوں میں دریا میں
انھیں کا نورِ اقدس دو جہاں میں ہر سو چھایا ہے
یہ باغ وبن کی رعنائی، گل وگلشن کی گل کاری
جمال سرورِ عالم سے دنیا کو سجایا ہے

مصطفٰی لکھنا نور لکھ دینا
ان کو دل کا سرور لکھ دینا
ہر گلی کوچہ قدسیوں کا ہجوم
شہر طیبہ کو طور لکھ دینا

پھول پتی کلی کلی اُن کی
صحن عالم کی دلکشی اُن کی
چھولیا عرش کی بلندی کو
یاد مجھ کو جب آگئی اُن کی

نبی کا ذکر کیا اور ہوا مہکنے لگی
پڑھا سلام تو گھر کی فضا مہکنے لگی
وسیلہ سرور کونین کا لیا جب بھی
سکون دل کو ملا اور دعاء مہکنے لگی
زباں پہ آیا مری جب بھی یارسولَ اللہ
اُفق اُفق پہ یہ پیاری صدا مہکنے لگی

☆☆☆

(ص: ۳۷ کا بقیہ) ہندوؤں کے اس بزرگ کو جسے وہ خدا کا اوتار مانتے ہیں امام اور چراغ ہدایت کے الفاظ سے یاد کرے اور اس کی تعریف میں رطب اللسان ہو۔ کیا ایسا آدمی اسلام پر ہے یا کفر پر؟ اس کے ساتھ لین دین نشست وبرخاست اور ہر طرح کا مقاطعہ کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ اور نہ کرنے والوں کے متعلق کیا حکم ہے؟ المستفتی: پیرزادہ محمد صدیق، سہارن پور

اور اب اس پر فتوی ملاحظہ ہو:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسم پرور دگار اور یزداں عرفاً مخصوص باری ہے اور اوتار ہنود کے نزدیک خدا کے جنم لینے کو کہتے ہیں۔ اندریں صورت یزداں اور پرور دگار آفتاب کو کہنا صورت کفر ہے۔ علی ہذا خدا کے جنم لینے کا عقیدہ بھیانک کفر اور توہین موسیٰ علیہ السلام بھی کفر اور توہین بزرگان دین فسق۔ لہٰذا جب تک ان کفریات سے قائل اشعار مذکورہ سے توبہ نہ کرے اس سے ملنا جلنا تمام مسلمان ترک کریں ورنہ سخت گنہگار ہوں گے۔ (بحوالہ: ذکر اقبال، عبد المجید سالک، ص: ۲۹۔۲۸۔۱۲۷)

برادرم اصلاحی صاحب! آپ خود عالم وفاضل ہیں، غور فرمائیں استفتا میں کہیں اقبال کا نام ہے؟ ایک شخص جو آفتاب کو خدائی صفات کے ساتھ متصف کرکے اس سے مرادیں طلب کرکے اس سے مرادیں طلب کرے، آخرت پر یقین نہ رکھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان میں گستاخی کرے، علمائے کرام اور پیران عظام کو برے القابات سے یاد کرنے اور ان کی تضحیک بھی کرے، کیا علامہ اقبال کے ایسے ہی افکار وعقائد تھے، ہرگز نہیں تو پھر ان کو ان عقائد کا حامل کیوں کر قرار دیا گیا اور حضرت مولانا مفتی سید دیدار علی کے خلاف کیوں پروپیگنڈہ کرکے اور بہتان لگاکر اپنی عاقبت کو برباد کیا۔ میرے نزدیک اصل متفنی اور فراڈ مستفتی پیرزادہ صدیق سہارن پوری ہے جس نے فرضی استفتا کرکے علامہ اقبال کو ایک شخص کے پردے میں رکھ کر مفتی صاحب کو خواہ مخواہ بدنام کرنے کی کوشش کی۔ صدیق سہارنپوری کی بکواس سے نہ تو مولانا دیدار علی کے عز و وقار پر کوئی آنچ آئی اور نہ تو بریلوی مکتب فکر کو بقول آپ کے ندامت کا سامنا کرنا پڑا۔

اب آپ ہی (اصلاحی صاحب) فرمائیں کہ: جو شخص آفتاب کو خدائی صفت کے ساتھ متصف کرے، اس سے مرادیں مانگے، آخرت پر یقین نہ رکھے اور حضرت موسیٰ جیسے جلیل القدر پیغمبر سے استہزا کرے، کیا آپ ایسے شخص کو مسلمان قرار دیں گے؟ یا سچا پکا مسلمان ہونے کی سند دیں گے؟ آپ اپنے ہی پسندیدہ دارالافتا سے رجوع کرکے دیکھیے۔ آپ کے جواب باصواب کا انتظار رہے گا۔ ☆☆☆

# نعت

## جنتیں ہیں نثارِ مدینہ

عظمتیں ہیں نثارِ مدینہ، جنتیں ہیں نثارِ مدینہ
مصطفیٰ کے لیے میرے رب نے، چن لیا ہے دیارِ مدینہ

جو ٹھکانہ تھا بیماریوں کا، اس کو دار الشفا کر دیا ہے
میرے آقا کے ہونٹوں سے نکلی ہے دعا سازگارِ مدینہ

ہوتے ہیں دل کے سودے وہاں پر، عشق والوں کی بکتی ہیں جانیں
چل رہا ہے نبی کے کرم سے آج بھی کاروبارِ مدینہ

سورمۂ نور کی جستجو میں، پھر میں کھاتا ہوں در در کی ٹھوکر
ڈال دے میری آنکھوں میں لاکر، اے صبا پھر غبارِ مدینہ

دولتِ نور و نکہت سمجھ کر، اپنی پلکوں سے میں چن رہا ہوں
باغِ جنت کے پھولوں سے نازک، مجھ کو لگتے ہیں خارِ مدینہ

میں نے دیکھا کہ بلّی کبوتر، مل کے رہتے ہیں آپس میں ہر دم
کوئی لاکر دکھائے یہ منظر، ماسوائے دیارِ مدینہ

اوڑھ کر آنسوؤں کی ردائیں، آرہی ہیں لبوں پر دعائیں
اپنے دامن میں لے میری میت، خود ہی بڑھ کر حصارِ مدینہ

تیرے محبوب کے در کی یادیں میری بے خوابیاں بن گئی ہیں
میری قسمت میں لکھ دے مدینہ، پھر اے پروردگارِ مدینہ

ڈھل کے اشکِ ندامت سے آخر، آئینہ ہوگئیں جن کی آنکھیں
**"اُن کی آنکھوں میں دیکھو، دِکھے گی، صورتِ تاجدارِ مدینہ"**

صدق و عدل و حیا، علم و حکمت، سب ہیں شہرِ مدینہ میں یکجا
ہیں ابو بکر و فاروق و عثماں، اور حیدر قرارِ مدینہ

اپنی چوکھٹ پہ مجھ کو بلا کر، جام رحمت کا جی بھر پلایا
کیوں نہ مہتابؔ سر چڑھ کے بولے، عمر بھر پھر خمارِ مدینہ

**مہتاب پیامی**

## خراجِ عقیدت

### ناشرِ رضویات حضرت صاحبزادہ سید وجاہت رسول تاباںؔ قادری رضوی علیہ الرحمہ

نہ کوئی گنتی نہ کوئی حد ہے، شمار میں نہ حساب میں ہے
جہاں بھی دیکھو وہاں "وجاہت" عقیدتوں کی کتاب میں ہے

خدائے غفار کا بلاوا، جب آیا فوراً لباس بدلا!
جہانِ ندرت میں غم کی لہریں، ہر ایک دل اضطراب میں ہے

لباس تبدیل کرلیا ہے، ڈھکا ہے چہرہ، ہیں بند آنکھیں
جگا کے دیکھو تو صدق دل سے، مجھے تو لگتا ہے خواب میں ہے

ہے کوئی ثانی؟ ہے کوئی سایہ؟ نظیر ہے کیا؟ مثیل ہے کیا؟
کسی سے جب میں سوال کرتا، وہ کہتا "مشکل جواب میں ہے"

بلند اخلاقیوں کا پیکر، خلوص کا وہ عظیم جوہر
"نوازشیں تھیں کنیز در کی"، لکھا عنایت کے باب میں ہے

تھا رضویت کا عظیم ناشر، کھلا تھا باطن، چھپا تھا ظاہر
عظیم کیا؟ وہ عظیم تر تھا، یہ صاف اُس کے خطاب میں ہے

رضا کی نسبت پہ ناز کرتا، ہمیشہ رضوی مشن پہ مرتا
عجیب تھا وہ رضویت کا حامی، شرف یہ عظمت کی تاب میں

جنابِ سطوت! جنابِ صولت! فراق و فرقت، جدائی کیا ہے؟
غموں کا پردہ اٹھا کے دیکھو، وہ ماہ رُخ بس حجاب میں ہے

کرم، نوازش، عطا، عنایت، جہانِ تاباںؔ کی تابشیں ہیں
شعائیں اُس کی شباب پر ہیں، بھلے ہی خود وہ نقاب میں ہے

بنا وہ ملکِ بقا کا راہی، فنا کو بھی ہوش آیا ہوگا
جہاں بھر میں ہیں اُسکے چرچے، فنا بھی شکل سُراب میں ہے

جہاں کا تھا وہ، وہیں گیا ہے، وہی تھا مقصود اُس کا اپنا
بہ غور کرلیجیے! سَیرِ دریا، کچھ ایسی صورت حُباب میں ہے

بسا کے عشقِ رسول دل میں، جلا کے دل کو، سبق سنایا
"کباب آہو میں بھی نہ پایا، مزہ جو دل کے کباب میں ہے"

جو سمجھا اُس کو، ہے وہ سکندر، دھنی ہے قسمت کا خوب ازہرؔ
سمجھ نہ پایا جو اُس کو پھر تو، وہ شخص خانہ خراب میں ہے

☆☆☆☆

**مولانا ازہر القادری، سدھارتھ نگر**

# پنج گنج ولایت

تبصرہ نگار: مولانا اختر حسین فیضی

نام کتاب : پنج گنج ولایت
مؤلف : مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی
صفحات : ۲۸۸
اشاعت : محرم الحرام ۱۴۴۱ھ/ستمبر ۲۰۱۹ء
ناشر : بیت الحکمت کریم الدین پور، گھوسی، مئو

**مولانا** ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی مدظلہ العالی جو بیک وقت سوانح نگار، تاریخ نویس، انشا پرداز اور ترجمہ نگار ہیں، اردو فارسی اور عربی زبان و ادب پر یکساں مہارت رکھتے ہیں، آپ کے نوک قلم سے نکلی ہوئی تحریریں بڑے چاو اور شوق سے پڑھی جاتی ہیں، تحریر میں سلاست وروانی کے ساتھ ساتھ ادبی چاشنی اور زبان وبیان کی حلاوت بھر پور پائی جاتی ہے، اب تک آپ کی چالیس سے زیادہ کتابیں اشاعت سے ہم کنار ہو کر بقاے دوام اور تحسین انام حاصل کر چکی ہیں، دینی، علمی اور ادبی کارناموں کا یہ ذخیرہ آپ کے حیاتِ دوام کا ضامن ہے۔

آپ کی نگارشات مثلاً: ائمۂ اربعہ، خلفاے راشدین، مشاہیر حدیث، تذکرۂ مشائخ عظام، ترجمہ منتخب اللغات، ترجمہ بحر زخار (تین جلدیں)، ترجمہ تاریخ داؤدی، وغیرہ اہل علم کے درمیان آپ کا قد بہت اونچا کر دیتی ہیں۔

حضرت مؤلف بنیادی طور پر درس و تدریس سے وابستہ ہیں اور اپنے مولد و مسکن ہی کے ایک قدیم ادارے جامعہ شمس العلوم گھوسی میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے حدیث رسول کی خدمت انجام دے رہے ہیں، اس عظیم مصروفیت کے ساتھ ہی قرطاس و قلم سے گہرا لگاو بھی رکھتے ہیں جس کے نتیجے میں آپ نے قوم کو تصنیفات و تالیفات کا بیش بہا سرمایہ عطا کیا۔

آپ کے رشحات قلم سے ایک تازہ ترین کتاب ”پنج گنج ولایت“ ہے جو تذکرہ نویسی کا ایک بہترین نمونہ اور سوانح و تراجم کے باب میں مفید اضافہ ہے، جس میں دین و دانش کی بے لوث خدمت کرنے والے اور رشد وہدایت کا فریضہ انجام دینے والے پانچ قد آور اکابر ملت اور سرخیل اہل سنت کو سمجھنے اور ان کے کارناموں سے روشناس کرانے کی بھر پور کوشش کی گئی ہے۔

کتاب کا انتساب حضرت مولانا مفتی مجیب اشرف صاحب مدظلہ کے نام کیا گیا ہے، ساتھ ہی ان کی شان میں مؤلف کے دس اشعار بھی شامل ہیں، پیش گفتار کے تحت کتاب کی وجہ تالیف ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے:

”اس خاندان کے علما نے علوم اسلامیہ کی تدریس کے ساتھ فقہ و افتا کی مسند کو رونق بخشی، رشد وہدایت کی قلم رو میں نمایاں کارنامے انجام دیے، اپنی تصنیف و تالیف سے علمی خزانے میں بیش بہا اضافے کیے، احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ پوری قوت کے ساتھ انجام دیا، ضرورت اس امر کی ہے کہ اس عظیم علمی و روحانی خاندان کی مکمل تاریخ پیش کی جائے، جس کے اندر ان مقتدر شخصیات کی حیات و خدمات، ان کے کارناموں کا پس منظر، ان بزرگوں کی علمی و ادبی، تحقیقی، تبلیغی و روحانی خدمات کا شان دار مرقع لوگوں کے سامنے آجائے، اسی نقطۂ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے ناچیز ہیچ مداں نے ”پنج گنج ولایت“ ترتیب دی۔ (پنج گنج ولایت، ص:۸)

ص:۱۰ سے کتاب کا مقدمہ شروع ہوتا ہے اور ص:۶۰ پر ختم ہوتا ہے، اکاون صفحے کے اس مقدمے میں مؤلف نے بڑے سلیقے سے قوم افغان کے نسب و نسل پر فاضلانہ گفتگو کی ہے، چوں کہ اعیان تذکرہ، قوم افغان سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے ان کے خاندان کا تعارف بھی مؤلف و مصنف کی ایک بڑی ذمے داری ہوتی ہے، اس مقدمے میں آپ نے اس ذمے داری کا بھر پور حق ادا کیا۔“

مختلف حوالوں اور شواہد کی روشنی میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ قوم افغان آل یعقوب یعنی اسرائیلیوں کی نسل سے ہیں، بخت نصر کے زمانے میں جب ان پر افتاد پڑی تو وہ منتشر ہو کر دنیا کے مختلف گوشوں میں آباد ہو گئے، ان میں سے کچھ نے افغانستان اور کشمیر کو بھی اپنا مستقر بنایا۔

امام احمد رضا قادری کے اجداد میں سے شہ زادہ محمد سعید اللہ خاں کا تعلق افغانوں کے مشہور قبیلے بڑھیچ سے تھا، وہ ریاست قندھار کے ولی عہد

تھے جو ہندوستان تشریف لائے اور لاہور میں قیام کیا، شجاعت و بہادری اور حسن تنظیم کی وجہ سے شش ہزاری منصب پر فائز ہوئے، جب روہیل کھنڈ میں بغاوت کے آثار نمودار ہوئے تو باغیوں کی سرکوبی آپ کے سپرد ہوئی اور آپ نے آکر اس بغاوت کو ختم کیا جس کے عوض آپ کو یہیں رہنے کا حکم ہوا اور یہاں کا صوبے دار بنا دیا گیا اور جاگیریں بھی عطا ہوئیں، اسی طرح آپ کی نسلیں بھی حکومت کے مختلف مناصب پر فائز ہوتی رہیں، پھر ایک زمانہ وہ بھی آیا کہ دنیوی مناصب سے منہ موڑ کر تمام تر توجہ دین حنیف کی تبلیغ اور اسلامی علوم و فنون کی نشر و اشاعت میں لگادی، جس کی وجہ سے وہ باوقار نگاہوں سے دیکھے گئے، سنہ ۱۲۴۴ھ سے سنہ ۱۴۳۹ھ تک یعنی اعلیٰ حضرت کے دادا مفتی رضا علی صاحب سے لے کر ان کے پڑپوتے حضرت تاج الشریعہ تک تقریبًا دو سو سال کی اس طویل مدت میں خاندان رضا نے اشاعت علم و دانش اور خدمت فقہ و افتا کی جو مجلس سجائی اور مسند ارشاد و موعظت کو جو زینت بخشی ہندوستان میں اس کی نظیر کم ہی ملتی ہے۔

کتاب کو جن پانچ اکابر ملت اور شخصیات اہل سنت کے ذکر سے زینت بخشی گئی ہے ان کے نام اس طرح ہیں:

(۱) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمہ (ولادت:۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء-وفات:۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء)(۲) حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمہ (ولادت:۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء-وفات: ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء)(۳) مفتی اعظم ہند علامہ مصطفیٰ رضا قادری بریلوی علیہ الرحمہ (ولادت:۱۳۱۰ھ/۱۸۹۳ء-وفات:۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء) (۴) مفسر اعظم ہند علامہ ابرہیم رضا قادری بریلوی علیہ الرحمہ (ولادت:۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء-وفات:۱۳۸۵/۱۹۶۵ء)(۵) تاج الشریعہ علامہ محمد اختر رضا قادری بریلوی علیہ الرحمہ (ولادت:۱۳۶۱ھ/۱۹۴۲ء-وفات:۱۴۳۹ھ/۲۰۱۸ء)

یہ وہ شخصیتیں ہیں جن کی علمی جلالت، روحانی شوکت اور روشن کارناموں کی بنیاد پر متعدّد کتابیں اور بڑے بڑے نمبر شائع ہوئے جو شائقین کی تشنگی بجھا رہے ہیں، لیکن ان ضخیم اور متعدّد مجلدات پر مشتمل کتابوں تک رسائی عام قارئین کے لیے ذرا مشکل تھی اور ان سے استفادہ بھی کوئی آسان نہ تھا۔

"پنج گنج ولایت" میں حضرت مؤلف نے ان کتابوں کا نچوڑ اور ان کی خوب صورت تلخیص پیش کی ہے جس میں ان شخصیات کی حیات اور کارناموں کے تمام گوشے سمیٹ لیے ہیں، گویا کوزے میں دریا بند کر دیا ہے۔ ان تذکروں میں جو چیز سب سے نمایاں طور پر بیان کی گئی ہے وہ ہے علوم اسلامیہ کی اشاعت اور سلوک و تصوف کے ذریعے خدا ترسی کا درس جو اس خاندان کا خاص وصف ہے۔

مواد کی فراہمی کے ساتھ ساتھ پیش کش کے خوب صورت اور دل چسپ انداز نے تحریر کو ایک نمایاں وقار بخشا ہے، اس پر ادبی اسلوب مستزاد ہے؛ اس لیے کتاب پڑھنے میں کہیں بھی اکتاہٹ محسوس نہیں ہوتی۔

کتاب کے اندر مآخذ اور مراجع کا بھی اہتمام ہے جو کتاب کو معتبر اور مستند بنانے میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ لیکن حوالے میں کتاب اور صفحہ نمبر کے ساتھ مصنف اور ناشر کی بھی صراحت ہوتی تو کچھ اور لطف ہوتا، کہیں کہیں ثانوی حوالوں سے بھی مدد لی گئی ہے۔ حضرت تاج الشرعلیہ الرحمہ کی شاعری پر گفتگو کرتے ہوئے ص:۲۷۰ پر مولانا شہاب الدین رضوی کی کتاب "حیات تاج الشریعہ" میں شامل مولانا اختر حسین قادری کے مضمون "حضرت اختر رضا ازہری اختر بریلوی کے کلام کی بدیعی پیمائش" سے بھی یہ اقتباس منقول ہے:

"نعت گوئی کے لیے زبان و بیان کی شیرینی، فکر و خیال کی پاکیزگی اور عشق رسول کی چاشنی بنیادی شرط ہے، حضرت اختر بریلوی مدظلہ نے صرف اظہار فن کے لیے نعتیں نہیں کہی ہیں بلکہ الفاظ کے پیکر میں عقیدت و محبت کی دلی آواز ہے، جس میں سوز و گداز، عشق و سرمستی اور خود سپردگی کا عنصر پورے طور پر کار فرما ہے۔"

یہ مضمون "حیات تاج الشریعہ" میں ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور، نومبر ۲۰۱۳ء سے لیا گیا ہے، ماہ نامے میں مضمون نگار کا نام "مولانا اختر حسین فیضی مصباحی" درج ہے، مولانا شہاب الدین رضوی نے نہ جانے کیوں "فیضی مصباحی" کو "قادری" سے بدل دیا، اس تبدیلی سے انھوں نے کون سی خوبی پیدا کرلی یہ تو وہی جانیں، ہاں ایک فائدہ یہ سمجھ میں آرہا ہے کہ اس طرز عمل نے مضمون نگار کی شناخت ضرور مٹادی۔ اس لیے ثانوی حوالے کو بہت چھان پھٹک کر لینے کی ضرورت ہے۔

کتاب کا نام "پنج گنج ولایت" ہے، جس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ صاحبان تذکرہ یا تو محض خانقاہی ہیں یا ان پر خانقاہیت غالب ہے، چوں کہ اعلیٰ حضرت کا خاندان شریعت و طریقت دونوں کا سرچشمہ ہے؛ زیر نظر کتاب بھی اس کی شہادت فراہم کرتی ہے؛ اس لیے کتاب کے نام میں دونوں جہتوں کا لحاظ ہوتا تو اچھا تھا، مثلاً: علم و عرفان کے پانچ ستارے، شریعت و طریقت کے گنج گراں مایہ، شہر یار علم و عرفان، پنج گنج علم و عرفان، پنج گنج وغیرہ۔

بہر حال زیر نظر کتاب ہر طبقے کے لیے یکساں فائدے مند اور کار آمد ہے، ساتھ ہی مؤلف کی اور کتابوں کی طرح اردو کے ذخیرے میں بہترین اضافہ بھی۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ساتھ حضرت کی ساری تصنیفات کو مقبول بنائے اور ان کا سایہ دیر تک ہمارے سروں پر باقی رکھے۔

آمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلاۃ والتسلیم

# صاحب زادہ سید وجاہت رسول تاباںؔ قادری علیہ الرحمۃ

## ہماری ملاقاتیں اور مراسلات

مبارک حسین مصباحی

۳۰؍ جمادی الآخرہ ۱۴۴۱ھ/ ۲۶؍ جنوری ۲۰۲۰ء کو جہانِ سنیت کی عظیم شخصیت حضرت صاحبزادہ سید وجاہت رسول تاباںؔ قادری "علیہ الرحمہ" ہو گئے، اس جانکاہ خبر سے دل و دماغ نے بڑا گہرا اثر قبول کیا، کلمات استرجاع پڑھ کر سورتیں تلاوت کیں اور انھیں ایصالِ ثواب کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی خوبیوں سے سرفراز فرمایا تھا، ان کی رحلت سے بر صغیر کے بیش تر حلقے متاثر ہوئے۔ آپ خاندانِ مصطفیٰ ﷺ کے چشم و چراغ تھے، مورثانِ اعلیٰ علم و عمل کے پیکر اور دعوت و تبلیغ کے مینارۂ نور تھے۔ آپ کا خاندان اعلیٰ خدمات کا حامل تھا، آپ بلند پایہ نثر نگار، عظیم شاعر، ہر دل عزیز صحافی، بلند فکر و عمل کے فرد فرید تھے، اور ہند، بنگلہ دیش، حجاز مقدس اور جامعہ ازہر مصر وغیرہ کے کامیاب اور بامقصد دورے فرمائے تھے، جہاں تشریف لے جاتے اپنی یادوں کے نقوش چھوڑ آتے اور مسلسل رابطے میں بھی رہتے تھے، ماضی قریب میں آپ کا پورا خاندان خانوادۂ امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ سے منسلک تھا، آپ نے رضویات کے حوالے سے نثر و نظم میں قابلِ صد افتخار خدمات انجام دیں، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی کے آپ معتمد بانیوں میں تھے، ۱۹۸۰ میں حضرت علامہ شاہ ریاست علی علیہ الرحمۃ نے ایک ذمہ دار بانی کی حیثیت سے ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کا سنگ بنیاد رکھا تو آپ بھی ان کے شریک و سہیم تھے۔ ۳؍ جنوری ۱۹۹۲ء میں جب عظیم فاضل و دانش ور حضرت علامہ سید ریاست علی علیہ الرحمۃ کا وصال پر ملال ہوا تو بفضلہٖ تعالیٰ آپ ہی کو ان کی جگہ منصبِ صدارت پر فائز کیا گیا۔ اس وقت سے لے کر تا دمِ وصال آپ نے انٹرنیشنل پیمانے پر ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کی توسیع و اشاعت میں خدمات انجام دیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کے طفیل آپ کی اور آپ کے ادارے کی خدمات قبول فرمائے، آپ نیک، صالح، محنتی، مدبر اور باصلاحیت صدر اعلیٰ تھے۔ آپ سالنامہ "معارف رضا" کراچی اور ماہ نامہ "معارفِ رضا" کراچی کے مدیر اعلیٰ تھے۔

### ولادت اور تربیت:

آپ کی ولادت باسعادت ۲۷؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۸ھ/ ۱۶؍ جنوری ۱۹۳۹ء کو بنارس یوپی میں ہوئی۔ آپ کے آبا و اجداد مختلف ادوار میں مختلف مقامات کو فیض یاب کرتے رہے، آپ کے والد گرامی حضرت علامہ سید وزارت رسول قادری حامدی رضوی (ولادت: ۲۱؍ رجب المرجب ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء- وصال: ۴؍ صفر المظفر ۱۳۹۶ھ/ ۵؍ جنوری ۱۹۷۶ء) تھے جو بفضلہٖ تعالیٰ بافیض آل رسول ﷺ اور تقویٰ شعار عالم ربانی تھے۔ دعوت و تبلیغ کی اعلیٰ صلاحیتیں رکھتے تھے، آپ کی کارگزاریوں کی ایک لمبی داستان ہے جسے آپ کے شہزادۂ والا تبار حضرت سید وجاہت رسول قادری علیہ الرحمۃ نے اپنی مستقل کتاب "تذکرۂ مولانا سید وزارت رسول قادری" میں بڑے ادبی پیرایہ اور صوفیانہ طرز نگارش میں تحریر فرمایا ہے۔

صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری علیہ الرحمۃ نے اپنی منظوم کتاب "فروغ صبح تاباں" کی "سخن ہائے گفتنی" میں تحریر فرمایا ہے جس کی قدرے تلخیص حسب ذیل ہے۔

"حصول علم و ادب کا شوق اور شعر و سخن کا ذوق میرا آبائی ورثہ تھا، جو احقر کے والد ماجد مولانا سید وزارت رسول قادری حامدی رضوی علیہ الرحمۃ کی معرفت اس ناچیز تک پہنچا، میرے لیے اپنے گھر کا ماحول بھی میرے اندر سخن فہمی اور شعر گوئی اور علمی و دینی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے میں موئید اور معاون ثابت ہوا.... میری عمہ محترمہ حسینہ بیگم حامدیہ رضویہ (رحمہا اللہ) جو خود ایک ادیبہ تھیں اور بڑے ستھرے شعری ذوق کی حامل تھیں، فرماتی تھیں کہ ان کے بھائی یعنی والد ماجد کے پاس اردو، فارسی اور عربی شعرا کے دواوین تھے، مشرقی پاکستان ہجرت کے وقت ایک بیل گاڑی میں رکھ کر کتابوں کا بڑا ذخیرہ بنارس کے ایک بڑے سنی دار العلوم حمیدیہ رضویہ کی لائبریری کو عطیہ کر دیا تھا۔

بعض نہایت ضروری کتب انھوں نے علاحدہ کر لی تھیں جو اپنے

ساتھ مشرقی پاکستان لے آئے تھے۔ راقم نے ہوش سنبھالتے ہی اپنے گھر میں حافظ شیرازی، شیخ سعدی، علامہ اقبال، غالب، ذوق، اسماعیل میرٹھی، اکبر الہ آبادی، حسرت موہانی، جگر مراد آبادی، حفیظ جالندھری کے کلام کا چرچا سنا۔ میرے گھر میں نعتیہ کلام میں زیادہ تر حدائق بخشش، ذوق نعت، جمیل الرحمٰن رضوی بریلوی کا کلام، محفلِ نعت اور میلاد شریف میں پڑھا جاتا تھا، حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا حامدؔ بریلوی علیہ الرحمۃ کی آٹھ دس نعتیں جو میری عمہ محترمہ کو زبانی یاد تھیں اور ان کی نوٹ بک میں بھی لکھی ہوئی تھیں، اکثر سنتا رہتا تھا۔

میری والدہ محترمہ نذیر النساء بیگم مرحومہ مغفورہ اللہ تعالیٰ، انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، نہایت اچھے لحن میں نعت پڑھتی تھیں۔ نعت اور غزل کو ترنم سے پڑھنا میں نے انھیں سے سیکھا۔ پھوپھی صاحبہ کو لکھنے لکھانے کا بڑا شوق تھا، مراسلت نگاری کے فن سے بطریق احسن واقف تھیں۔ بے تکلفی اور سادگی کا رنگ غالب تھا، چھوٹے جملوں میں مافی الضمیر ادا کرنے پر قادر تھیں، اس فن میں میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا۔ اردو نثر و نظم کا وسیع مطالعہ تھا، شعر و ادب کا ستھرا ذوق تھا۔ میرے پاس ان کی ایک چھوٹی سی نوٹ بک بچی ہے، جس میں انھوں نے اپنے دور کے مشہور شعراے کرام کے چیدہ چیدہ پسندیدہ اشعار نقل کیے ہیں، جس کے مطالعہ سے ان کی اعلیٰ سخن فہمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ بعض دینی و ادبی رسالوں میں ان کے اصلاحی مضامین اور بعض ڈرامائی، مکالماتی انداز میں لکھے ہوئے مضامین "فوزیہ صبوحی" کے نام سے شائع ہوتے رہے۔ ان میں ایک اچھی اصلاحی ڈرامہ نویس اور تاریخی تناظر میں لکھنے والی ناول نگار ہونے کی صلاحیت بدرجۂ اتم موجود تھی، مگر افسوس کہ زندگی نے وفا نہ کی، ۱۹۷۶ء میں ۶۰/ سال کی عمر میں انتقال فرما گئیں۔ میرے اندر اردو شعر و ادب کا مطالعہ کرنے کا ذوق پیدا کرنے میں ان کا بڑا ہاتھ ہے۔ رحمہا اللہ تعالیٰ۔" (تلخیص از: فروغ صبح تاباں، ص ۱۱۰، ۱۱۱)

## مختصر خاندانی احوال:

آپ کے آبا و اجداد بخارا سے تشریف لائے تھے، نسبی شرافت اور نجابت پورے خاندان میں نمایاں تھی، حضرت سید شاہ عبد الرسول علیہ الرحمۃ والرضوان پہلے سورت گجرات میں تھے، یہ بزرگ (مصطفیٰ باد) رام پور یوپی میں مقیم ہو گئے اور وصال بھی رام پور میں ہوا۔ حضرت مولانا سید شاہ محمد احمد علیہ الرحمۃ ان کے شہزادے تھے جن کی پرورش رام پور میں ہوئی۔ ان کا وصال بھی رام پور میں ہو گیا۔ دونوں کی قبریں رام پور کی سرزمین پر ہیں۔ آپ کے لختِ جگر، فرزندِ ارجمند سیف اللہ المسلول حضرت علامہ مولانا سید ہدایت رسول قادری برکاتی رضوی علیہ الرحمۃ کی ولادت رام پور یوپی میں ۱۸۶۰ء میں ہوئی اور وصال بھی ۲۳/ رمضان المبارک ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۵ء کو رام پور میں ہی وصال پر ملال ہوا۔ آپ بلند پایہ فاضلِ جلیل تھے، اعلیٰ علمی و ادبی ذوق رکھتے تھے، شعر و سخن میں وہ ایک مثالی حیثیت کے حامل تھے، بلند پایہ عالم، عارف، مناظر محقق، مصنف اور شاعر تھے۔ آپ زبان و قلم کے شہنشاہ تھے، آپ نے اپنے عزم و ہمت کا مسلسل مظاہرہ فرمایا، انگریزوں کے خلاف آپ کے گراں قدر خطابات ہوتے تھے، آپ نے پادریوں سے زبردست مناظرے فرمائے اور ہر موقع پر آپ کو فتح و نصرت حاصل ہوئی، لکھنؤ جیسے شہر میں آپ نے انھیں ناکوں چنے چبانے پر مجبور کر دیا، عوام و خواص آپ کے نام پر تن من دھن کی بازی لگانے کو تیار رہتے تھے۔ آپ نے جیلوں کی سلاخوں کے پیچھے زندگی کے بہت سے دن گزارے، آپ نے ردِّ قادیانیت میں بھی تاریخی کردار ادا کیا۔ **امام احمد رضا محدث بریلوی نے آپ کو "شیر بیشۂ اہلِ سنت" کا خطاب عطا فرمایا تھا۔**

اپنے والد گرامی حضرت سید شاہ محمد احمد علیہ الرحمۃ کے وصال کے بعد آپ لکھنؤ آ گئے، کچھ عرصے کے بعد بریلی شریف پہنچے اور امام احمد رضا قدس سرہ کے مشن سے پورے طور پر وابستہ ہو گئے۔

جہاں حضرت مولانا کا سلسلۂ وعظ و تقاریر ایک بے مثال طریقہ پر جاری تھا، وہاں آپ کے رشد و ہدایت اور روحانی تعلیم و تربیت کا بھی فیض عام جاری تھا۔

سراج العارفین حضرت سید شاہ ابو الحسین نوری برکاتی مارہروی رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ [م: ۱۱/ رجب المرجب ۱۳۳۲ھ/۳۱/ اگست ۱۹۰۶ء] سے مرید اور ان کے خلیفۂ مجاز تھے، اس لحاظ سے آپ امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برادرِ طریقت بھی تھے۔ لیکن بعد میں اعلیٰ حضرت بریلوی کے دستِ مبارک پر بھی طالب ہوئے تھے۔

آپ کو حضرت سیدنا امام الاولیا رونق بزم کرامت، زینت گلزار معرفت مست شراب محبت سید شاہ حاجی وارث علی شاہ اعلی اللہ مقامہ ورحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے شرفِ بیعت حاصل تھا اور بہت زیادہ معتقد تھے، اکثر دیویٰ شریف میں سرکار کی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے اور سرکار بھی آپ پر بے حد کرم فرماتے تھے۔

آپ کے مریدین کی تعداد کثیر تھی، آپ کے مریدوں میں حضرت شیر بیشۂ سنت علامہ حشمت علی خاں قادری رضوی لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت مولانا مفتی محبوب علی خاں علیہ الرحمۃ کے والد ماجد حضرت شاہ نبی بخش خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تھے۔ اور آپ کی اہلیہ محترمہ رحمۃ اللہ علیہا بھی حضرت مولانا سے مریدہ تھیں۔

آپ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا حنفی قادری برکاتی قدس سرہ العزیز کے نہ صرف ہم عصر تھے، بلکہ آپ کے مقرب خاص علما میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ اس قربت کا کچھ اندازہ ان اشعار سے بھی ہوتا ہے، جو امام احمد رضا نے علامہ سید ہدایت رسول قادری علیہ الرحمۃ کے وصال پر کہے تھے اور اس زمانے میں ہفتہ وار اخبار دبدبۂ سکندری، رام پور میں شائع ہوئے تھے، طوالت کے خوف سے اس کے صرف دو شعر پیش ہیں۔

بیشۂ سنت کے شیر واہ! ہدایت رسول
نصرت حق میں دلیر آہ! ہدایت رسول

علامہ ہدایت رسول علیہ الرحمہ تاریخ وصال ۲۳/ ویں شب رمضان المبارک اور دن جمعرات (شب جمعۃ المبارکہ) تھا، اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

ماہِ کرامت کی رات، جمعہ کی، رحمت کی رات
تھی تری رحلت کی رات، واہ، ہدایت رسول

مولانا ایک نابغۂ عصر عالم و فاضل اور واعظ بے بدل ہونے کے علاوہ اپنے دور کے ایک اچھے ادیب و قلم کار اور شاعر بھی تھے، افسوس کہ ان کا غیر مطبوعہ دیوان محفوظ نہ رہ سکا۔

### سید وجاہت رسول تاباںؔ قادری کے چند احوال:

حضرت علامہ سید کرامت رسول قادری علیہ الرحمۃ نے چار شادیاں نہایت اعلیٰ خاندان لکھنؤ، بمبئی، دہلی، اور بنارس میں کی تھیں۔ بنارس والی اہلیہ محترمہ سے حضرت مولانا سید وزارت رسول قادری علیہ الرحمۃ تھے، ان کے ولدِ صالح حضرت صاحب زادہ سید وجاہت رسول تاباںؔ قادری علیہ الرحمۃ تھے۔

صاحب زادہ سید وجاہت رسول تاباںؔ قادری علیہ الرحمۃ اگرچہ الحبیب بینک کراچی سے منسلک تھے، مگر ان کا دل و دماغ عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سرشار رہتا تھا اور اپنے آبا و اجداد کی طرح دین و سنیت کے لیے بہت کچھ کر گزرنے کا حوصلہ رکھتے تھے، آپ نے فکرِ امام احمد رضا قدس سرہ کو عالمی پیمانے پر پھیلانے کے لیے گراں قدر تصنیفی، صحافتی، تحریکی اور شعری خدمات انجام دیں، **ہماری معلومات کے مطابق آپ نے سولہ سے زائد کتابیں تحریر فرمائیں، معارفِ رضا کراچی کے اداریوں کا مجموعہ ۱۳۵۰/ صفحات پر مشتمل شائع ہو چکا ہے**، اور ایک عشق و محبت اور فکر و فن سے لبریز **آپ کا دیوان "فروغِ صبحِ تاباں" بھی عالمی سطح پر متعارف اور مقبول ہو چکا ہے۔**

### امام احمد رضا اور تحفظِ عقیدۂ ختم نبوت:

آپ کی ایک کتاب "امام احمد رضا اور تحفظِ عقیدۂ ختم نبوت" ہے۔ یہ کتاب پہلے ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی سے شائع ہوئی، اس وقت ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کشمیر انڈیا کا ایڈیشن ہمارے ہاتھوں میں ہے، کتاب اپنے موضوع، مواد اور طرزِ نگارش کی وجہ سے انتہائی مفید اور معلومات افزا ہے، ذیل میں ہم اس کے چند اقتباسات کی تلخیص پیش کرتے ہیں:

"دور جدید میں فتنۂ قادیانیت یا مرزائیت مسلمانانِ عالم کے خلاف ایک بہت ہی گھناؤنی سازش ہے جو جسد ملت اسلامیہ کے لیے ایک کینسر سے کم نہیں۔ ہمیشہ کی طرح اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے بھی علما و مشائخ اہل سنت کا کردار شروع سے ہی بہت عالیشان رہا ہے۔ رد قادیانیت کے حوالے سے دو شخصیات کی تصانیف نے سب سے زیادہ شہرت پائی:

(۱) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ
(۲) حضرت پیر طریقت سید مہر علی شاہ گولڑوی علیہ الرحمۃ

ہم اس وقت رد قادیانیت کے ضمن میں امام احمد رضا کی قلمی کاوشوں اور تحریک ختم نبوت پر اس کے اثرات کا جائزہ لیں گے۔ امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ (المتوفیٰ: ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) چودھویں صدی ہجری کے ایک جید عالم دین اور اپنے عہد کے معروف مرجع فتاویٰ ہیں ان کے عہد کے جید علمائے ہند، سندھ اور علمائے حرمین شریفین نے ان کے فضل و کمال اور تبحر علمی کو نہ صرف سراہا ہے بلکہ آپ کی دقت نظری اور علمی فتوحات پر آپ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے انھیں "امام العصر"، "نابغۂ روزگار"، "مجدد وقت"، "اللہ کی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت" قرار دیا ہے۔

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے سے انکار کا فتنہ ہندوستان میں پہلی بار اس وقت منظر عام پر آیا جب مولوی احسن نانوتوی (م ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء) نے قیام بریلی کے دوران (۱۸۵۱ء تا ۱۸۶۰ء) حدیث "اثر ابن عباس" کی بنیاد پر اپنے اس عقیدہ کا واضح

اعلان کیا کہ رسول ﷺ کے علاوہ بھی ہر طبقۂ زمین میں ایک ایک ”خاتم النبیین‘ موجود ہے۔

امام احمد رضا کے والد ماجد علامہ مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمۃ (م ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء) نے مولوی احسن نانا توی کی سخت گرفت کی اور اس عقیدہ کو مسلمانوں کے متفقہ عقیدۂ ختم نبوت کے منافی قرار دیتے ہوئے ایسا عقیدہ رکھنے والے کو گمراہ اور خارج از اہل سنت قرار دیا۔ ان کی حمایت میں علماے بریلی، بدایوں اور رام پور نے بھی فتوے دیے جس میں مولوی احسن نانا توی صاحب کے مسلم الثبوت عالم مفتی ارشاد حسین مجددی فاروقی بھی شامل تھے جب کہ مولوی احسن نانا توی کی حمایت میں ان کے عزیز مولوی قاسم نانا توی صاحب نے ایک کتاب ”تحذیر الناس“ تحریر کی اور وہ اپنے عزیز کی حمایت میں اس قدر بڑھ گئے کہ انہوں نے یہاں تک لکھ دیا کہ:

”سو عوام کے خیال میں رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاے سابق کے زمانے کے بعد اور آپ سب میں آخر نبی ہیں۔“

مزید تحریر کیا:

”اگر بالفرض بعد زمانۂ نبوی ﷺ بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا چہ جائے کہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجیے اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے۔“

یہی وہ دل آزار تشریح ہے جس نے انیسویں صدی کے آخری دہائی میں ملت اسلامیان ہند میں دو دھڑے پیدا کر دے اور ایک نئے فرقہ ”دیو بندی وہابی“ کو جنم دیا۔ آگے چل کر ”تحذیر الناس“ کی اس عبارت نے مرزا غلام قادیانی کذاب کی جھوٹی نبوت کے دعویٰ کے لیے مضبوط بنیاد فراہم کی جس کو آج تک قادیانی بطور دلیل پیش کرتے چلے آئے ہیں۔ حتیٰ کہ ۴؍ستمبر ۱۹۷۴ء کو جب پاکستان کی قومی اسمبلی میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے لیے دلائل دیے جارہے تھے تو قادیانیوں کے نمائندہ مرزا ناصر نے اپنے مسلمان ہونے کے دفاع میں مولوی قاسم نانا توی کی ان عبارات کو بطور دلیل پیش کیا جس کا جواب جناب مفتی محمود سمیت اسمبلی میں موجود کسی دیو بندی سے نہ بن پڑا البتہ مولانا شاہ احمد نورانی اور علامہ عبد المصطفیٰ الازہری صاحب نے گرجدار آواز میں کہا کہ ہم اس عبارت کے لکھنے والے اور اس کے قائل دونوں کو ایسا ہی کافر سمجھتے ہیں جیسا قادیانیوں کو اور اس سلسلے میں امام احمد رضا کا مرتبہ اور حرمین شریفین کا تصدیق شدہ فتویٰ ”حسام الحرمین“ اسمبلی میں پیش کیا جا چکا ہے۔“

حضرت نے ہمارے نام مکتوبات بھی ارسال فرمانا شروع فرما دیے تھے، قدرے تلاش کے بعد چند مطبوعہ مکتوبات ہمارے پیش نظر ہیں، مزید تحقیق و تلاش کی جائے تو کچھ اور بھی دستیاب ہو سکتے ہیں۔ آپ نے پہلا مکتوب گرامی ۱۹۹۳ء میں ارسال فرمایا تھا جو حسب ذیل ہے۔

## پہلا مکتوب گرامی:

”محترم و مکرم............ مبارک حسین مصباحی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

بحمد اللہ امام احمد رضا کانفرنس ہوٹل اداری ٹاور کراچی میں ۱۲؍ اگست ۱۹۹۳ء کو بخیر و خوبی منعقد ہوئی اور کامیابی سے انجام پزیر ہوئی، اس کی صدارت محترم ڈاکٹر منظور الدین احمد (سابق) شیخ الجامعۃ، جامعہ کراچی نے کی، جب کہ محترم ڈاکٹر مختار الدین آرزو نائب شیخ الجامعہ اردو علی گڑھ (بھارت) مہمان خصوصی تھے۔ کانفرنس میں ملک کے ممتاز اسکالرز اور دانش ور و مفکرین نے نہایت علمی و تحقیقی مقالات پیش کیے۔ سامعین میں ممتاز فضلا، قانون داں، جج صاحبان اور دانش ور حضرات نے بڑی تعداد میں شرکت کی، ٹی وی، اخبار، ریڈیو اور پریس کے نمائندے بھی خاصی تعداد میں شریک تھے، اس موقع پر ادارہ ہذا نے نہایت علمی، تحقیقی کتب اردو عربی اور انگریزی زبانوں میں شائع کیں، جو کہ ارسالِ خدمت ہیں۔

امید کہ بعد از مطالعہ اپنے قیمتی مشوروں سے نیز کتب کی رسید سے بھی مطلع فرمائیں گے۔

منتظرِ جواب۔ آپ کا مخلص

وجاہت رسول قادری (صدر)“

اس مکتوب کے بعد ہم نے ”ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی –ایک تعارف، ایک تاثر“ کے موضوع پر ایک خاصا تفصیلی تجزیہ نوٹ کیا تھا جو پہلے ”معارفِ رضا“ کراچی میں اشاعت پزیر ہوا، اور اس کے بعد ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور میں ۷؍صفحات پر مشتمل، فروری ۲۰۰۴ء میں شائع ہو چکا ہے بفضلہٖ تعالیٰ قارئین نے اس تاثر کو بھی بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا۔

## دوسرا مکتوب گرامی:

محترم و مکرم مولانا مبارک حسین مصباحی حفظہ اللہ تعالیٰ

مدیر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے بفضلہٖ مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

آپ کا ماہنامہ "اشرفیہ" الحمدللہ باقاعدگی سے ہمارے ادارے میں پہنچ رہا ہے۔ لیکن فقیر اپنی خرابیِ صحت کے باعث اب ادارے کے دفتر پچھلے کئی ماہ سے نہیں جا سکا ہے۔ گھر پر ڈاک اور اہم مضامین و مسودات ادارے سے پہنچ جاتے ہیں، خطوط کے جوابات احقر دے دیتا ہے مضامین و مسودات دیکھ لیے جاتے ہیں۔ معارف رضا کا ایڈیٹوریل لکھ دیا جاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ، کبھی کبھی اشرفیہ ادارے سے منگوا کر پڑھ لیا جاتا ہے۔ **اس لیے راقم کی آپ سے یہ استدعا ہے کہ گھر کے پتہ پر فقیر کے نام علاحدہ سے بھیج دیا کریں۔ تو بڑی کرم نوازی ہوگی۔**

دوسری گزارش یہ ہے کہ فقیہ عصر شارح بخاری علامہ مفتی شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سانحۂ ارتحال پر فقیر کا ایک تعزیتی پیغام تھا جو شاید آپ تک نہیں پہنچا ورنہ آپ کے رسالے میں ضرور شائع ہوتا۔ اس کی نقل حاضر ہے۔ ممکن ہو تو "اشرفیہ" میں شائع فرمادیں۔

**ماشاء اللہ آپ کے اداریے بہت خوب ہوتے ہیں، ستمبر کا اداریہ "رضویات کی ترویج و اشاعت میں الجامعۃ الاشرفیہ کا تاریخی کردار" پڑھا، بڑی مسرت ہوئی اور اندازہ ہوا کہ کیسے کیسے باکمال افراد پیدا کیے ہیں اور انھوں نے امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی تصنیفات کے حوالے سے کیا کیا عظیم کارنامے انجام دیے ہیں۔**

اللہ تعالیٰ جامعہ اشرفیہ کے ان تمام درویش صفت فاضل اساتذۂ کرام و علماے عظام کو دارین کی برکتیں عطا فرمائے جو حیات ہیں ان کی عمر اور علم و فضل میں برکتیں عطا فرمائے اور جو وصال فرما گئے ان کو ان کی خدماتِ دینیہ جلیلہ کے صلہ میں اعلیٰ علّیین میں مقامِ قرب عطا فرمائے اور جامعہ کے سربراہ عزیز ملت حضرت علامہ شاہ الحاج عبد الحفیظ صاحب دامت برکاتہم العالیہ کو اپنی خصوصی برکات اور فضل و رحمت سے حصۂ وافر عطا فرمائے اور جامعہ کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

علامہ شمس الہدیٰ صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ نے جامعہ ازہر شریف اور بلاد مصر و شام کے علما سے رابطہ کرکے جو کارنامہ انجام دیا ہے اس سے خوشی اور دوبالا ہوگئی، کنز الایمان کی خبر بڑی خوش آیند ہے۔ فقیر نے علامہ شمس الہدیٰ صاحب کو مبارک باد بھیجی تھی اور عرض کیا تھا کہ کنز الایمان [امام احمد رضا کا ترجمۂ قرآن] کے سلسلہ میں جامعہ ازہر کے ادارہ تحقیقات اسلامی کی طرف سے جو سند جاری کی گئی ہے اگر وہ آپ لوگوں کو مل چکی ہو تو اس کی فوٹو کاپی ہمیں بھیج دیں لیکن ہنوز کوئی جواب موصول نہیں ہوا، غالباً علامہ صاحب افریقہ کی کسی کانفرنس میں تشریف لے گئے ہیں، آپ ہی ادھر توجہ دیں۔ اس ضمن میں محض تحدیث نعمت کے طور پر ایک بات عرض کرنی ہے اور اس لیے بھی کہ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا (پاکستان) کو بھی جاتی ہے کیوں کہ گذشتہ ۳/۴ سال سے جامعہ ازہر شریف کے اساتذہ سے ہمارا رابطہ ہے، اس سلسلے میں خصوصاً جامعہ ازہر کے شعبۂ اردو کے استاذ فاضل نوجوان السید محمد احمد المحفوظ حفظہ اللہ تعالیٰ کا اہم کردار ہے۔ وہ لاہور میں دو سال پنجاب یونیورسٹی میں مطالعاتی کام کے سلسلہ میں مقیم رہے۔ پھر ان کا رابطہ حضرت علامہ مفتی عبد القیوم ہزاروی صاحب اور علامہ عبد الحکیم شرف قادری صاحب حفظہما اللہ تعالیٰ سے ہوا۔ پھر ان دونوں حضرات کی معرفت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب راقم اور ادارے سے ہوا۔ ۱۹۹۸ء میں امام احمد رضا کانفرنس کراچی میں بطور مہمان خصوصی قاہرہ سے تشریف لائے تھے۔ پھر یہ فقیر اور حضرت علامہ عبد الحکیم شرف قادری صاحب مدظلہ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کی طرف سے دو رکنی وفد لے کر ستمبر ۱۹۹۹ء میں قاہرہ گئے تھے اور وہاں شیخ الازہر دکتور محمد سید طنطاوی مدظلہ سمیت دیگر جید اساتذۂ ازہر، جامعہ عین الشمس اور دیگر علماے کرام اور مشائخ عظام سے ملاقاتیں کی تھیں وہاں کی جامعات اور مختلف شخصیات کو علماے اہل سنت اور اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی ۳۵۰۰ سے زیادہ کتب عطیہ پیش کی تھیں اس کی مختصر روداد "معارف رضا" میں شائع ہو چکی ہے تفصیل قسط وار شائع ہو رہی ہے۔ علامہ شمس الہدیٰ صاحب بھی تمام تفصیل سے واقف ہیں۔

فقیر اور ارکین ادارہ کی جانب سے حضرت مولانا محمد احمد مصباحی صاحب، حضرت مولانا محمد محبوب عزیزی مصباحی صاحب، حضرت مولانا علامہ عبد المبین نعمانی مصباحی صاحب، حضرت مولانا مفتی محمد نظام الدین مصباحی حفظہم اللہ تعالیٰ اور دیگر احباب محترم کو سلام نیاز پہنچادیں۔ والسلام۔

آپ کا مخلص: سید وجاہت رسول عفی عنہ

ادارہ تحقیقات امام احمد رضا

کراچی (پاکستان)

یہ گراں قدر مکتوب ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور میں جنوری ۲۰۰۱ء میں شائع ہوا۔

حضرت نے اپنے مکتوب گرامی میں جن چیزوں کا ذکر فرمایا، ان پر حسب استطاعت ہم نے عمل کرنے کی کوشش کی، دفتر ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور سے ان کی قیام گاہ کے ایڈریس پر مستقل رسالہ جاری کر دیا گیا، جس کا خاموش ذکر اس کے بعد والے مکتوب میں ہو گیا ہے۔

اس مکتوب سے آپ ان کے جذبۂ دینی اور عرب دنیا میں امام احمد رضا محدث بریلوی کے افکار و نگارشات پہنچانے کی کاوشوں پر بھی نظر ڈالیں، ہمارے محسن و کرم فرما حضرت علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری علیہ الرحمۃ سے بھی ہمیں دو دفعہ شرف نیاز حاصل ہو چکا ہے، حضرت علیہ الرحمۃ سے ہماری مراسلت بھی رہی ہے، ماشاء اللہ! علم و فضل اور اخلاص و عمل میں اپنی ایک مثال تھے۔ حضرت صاحب زادہ سید وجاہت رسول تاباں قادری علیہ الرحمۃ اور حضرت علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری علیہ الرحمۃ دونوں جامعہ ازہر شریف لے گئے، وہاں آپ نے شیخ الازہر دکتور محمد سید طنطاوی اور دیگر مشائخ سے ملاقاتیں فرمائیں، امام احمد رضا قدس سرہ کے ترجمۂ قرآن کنزالایمان کے تعلق سے پر زور کاوش فرمائی، یہ اس لیے بھی ضروری تھا کہ سعودیہ عربیہ میں بعض ناعاقبت اندیشوں نے "کنزالایمان" پر پابندی عائد کرادی گئی تھی، خیر یہ کوشش کامیاب رہی اور بڑی تعداد میں جامع الازہر میں کنزالایمان کی توسیع و اشاعت کا حکم جاری کر دیا گیا۔ اسی طرح امام احمد رضا اور دیگر اکابر اہل سنت کی دیگر گراں قدر کتابوں کا تعارف ہوا اور ان بزرگوں کے ذریعہ علمائے اہل سنت کی ۳۵۰۰/ سے زیادہ کتابیں وہاں مفت تقسیم کی گئیں۔

## تیسرا مکتوب گرامی:

محترم و مکرم مولانا مبارک حسین مصباحی حفظہ اللہ الباری

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ امید ہے کہ بہ فضلہ تعالیٰ مزاج گرامی بخیر ہوں گے

ماہ نامہ اشرفیہ پابندی سے فقیر کے اپنے پتہ اور ادارہ کے پتہ پر موصول ہو رہا ہے، فجزاکم اللہ احسن الجزاء۔ راقم ماہ مئی ۲۰۰۶ء میں بنگلہ دیش کے دورے پر گیا ہوا تھا اس لیے مئی کا شمارہ نہ دیکھ سکا تھا، واپسی پر جون کا شمار بھی ملا۔

**ماہنامہ اشرفیہ کی جو بات سب سے زیادہ پسند آئی وہ یہ ہے کہ اس میں شائع شدہ مضامین و مقالہ جات کا مزاج محققانہ ہوتا جارہا ہے۔ نئے عناوین اور عصر حاضر کے موضوعات پر مدلل اور تحقیقی ابحاث شامل ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے اہل سنت کے دیگر رسائل و جرائد کے مقابلے میں اس کا صوری اور معنوی رنگ نکھرتا، سنورتا اور ماہ بہ ماہ خوب سے خوب تر ہوتا چلا جارہا ہے۔ اللّٰھم زد فزد۔** یقیناً یہ سب بھی آپ کی انتھک محنت اور اعلیٰ صلاحیتوں کو بتدبیر احسن بروئے کار لانے کا ثمرہ ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کے اور آپ کے ساتھیوں کے علم فضل میں ترقی عطا فرمائے۔ آمین۔ ماہ جون ۲۰۰۶ء کا شمارہ ایک فقہی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔

راقم کی بے بضاعتی آڑے آتی ہے کہ اس پر ایک بھرپور تبصرہ سپرد قلم کیا جائے۔ لیکن **اس امر کے بیان کرنے میں فقیر کو کوئی باک نہیں کہ آپ کا یہ جملہ کہ "الجامعۃ الاشر مبارک پور کی مجلس شرعی بساط عالم پر پیدا ہونے والے جدید فقہی مسائل کے حل کے لیے ایک معتبر نام ہے۔" دور حاضر کی ایک عظیم حقیقت ہے جس کا انکار کوئی کور باطن ہی کر سکتا ہے۔** علمائے ملت کی اعلیٰ اور فکری صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر جدید فقہی مسائل کے اجماعی حل کی عملی تصویر آپ حضرات کی "مجلس شرعی" نے پیش کی ہے۔ اس نے امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی "مجلس اصحاب" کی یاد تازہ کر دی ہے۔ یہ ابناء الاشرفیہ کا اتنا عظیم کارنامہ ہے جس پر سواد اعظم جتنا بھی فخر کرے کم ہے۔

تیرہ شرعی سیمیناروں کے بعد مجلس شرعی کی جو کارکردگی اجماعی فیصلوں کی صورت میں نظر آرہی ہے اس کو اپنے و غیر سبھی تحسین کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ لیکن اس کے جو اہم برکات ہیں وہ فقیر کی نگاہ میں درج ذیل ہیں:

(۱)-کثیر تعداد میں اہل علم و تحقیق اور مفتیان راسخین "مجلس شرعی" کی آواز پر لبیک کہہ رہے ہیں، یہ بہت خوش آئند بات ہے۔

(۲)- دلیل اور علمی تحقیق کو خواص و عوام میں قبول عام حاصل ہو رہا ہے۔

(۳)- مشربی و جغرافیائی تعصب کی دیواریں گر رہی ہیں۔ عرب و عجم کا فرق کم ہو رہا ہے۔ مشربی بالادستی کے بجائے شرعی دلائل کی ترجیحات کا وزن محسوس کیا جارہا ہے اور ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم کا قرآنی نظریہ فروغ پذیر ہے۔ نیز مستقبل کے علمائے فحول اور اہل تحقیق و افتا کی تربیت گاہ بن رہی ہے۔

(۴)-جدید تعلیم یافتہ مگر دین سے نابلد بلکہ متنفر افراد اور دشمنان اسلام مثلاً عیسائیوں، یہودیوں اور ہندوؤں کے اسلام کے خلاف

پروپیگنڈے کا مثبت اور مستحکم جواب اوراس کا سد باب "مجلس شرعی" کے فیصلے ہیں۔

**آج کے دور میں جو گلوبلائزیشن کا دور ہے، الیکٹرونک اور پرنٹ میڈیا دعوت تبلیغ کا سب سے موثر بلکہ طاقت ور ذریعہ ہیں۔ سواد اعظم کے اہل الرائے اب تک اس کی اہمیت اور اثر پذیری کو تسلیم کرنے سے دانستہ یا نادانستہ اغماز برت رہے تھے۔ یہ امر قابل اطمینان ہے کہ "تنظیم ابنائے اشرفیہ" نے اس میں بھی پہل کی۔ راقم امید کرتا ہے کہ "اسلام اور عصر حاضر کا چیلنج، میڈیا کے حوالے سے" منعقدہ سیمینار (۱۸/۱۹/ مئی ۲۰۰۶ء) ایک سنگ میل کی حیثیت اختیار کرے گا۔** واضح ہو کہ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی نے سب سے پہلے علما و مشائخ کرام کی توجہ اس جانب مبذول کرائی۔ لیکن افسوس کہ اسے در خور اعتنا نہ سمجھا گیا بلکہ ہم پر فتوے لگے۔ ادارے نے اپنی تاسیس کے روز اول سے تبلیغ اسلام اور مسلک حقہ کے ابلاغ کے لیے تمام مروجہ وسائل ابلاغ استعال کیے ہیں۔ اخبارات، جرائد، ریڈیو، ٹی وی۔ اور اب ۲۰۰۶ء سے ملٹی میڈیا کا استعمال شروع کیا ہے۔ ادارے کی اپنی ایک ویب سائٹ بھی ہے

www . imamahmadraza . net

جس پر ہماری متعدد مطبوعات کے علاو ۲۰۰۶ء ملٹی میڈیا پر بنی ہوئی امام احمد رضا انٹرنیشنل کانفرنس ۲۰۰۶ء کی تمام کارروائی مع تقاریر و تصاویر دیکھی جا سکتی ہیں۔

بہر حال اجماع امت اور تبلیغ و دعوت دین و مسلک کا جو کام آپ حضرات نے ایک نہایت منظم طریقہ پر اور انضباط و منصوبہ کے ساتھ شروع کیا ہے اور الحمد للہ اس میں جو اہم کامیابیاں حاصل کی ہیں اس کے لیے عزیز ملت حضرت علامہ شاہ عبد الحفیظ صاحب سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ، آپ اور آپ کی پوری ٹیم، الجامعۃ الاشرفیہ کے اساتذہ، طلبہ و نیز ابنائے اشرفیہ پورے جنوبی ایشیا کے سواد اعظم (مسلک اکثریت حنفی المسلک) کی طرف سے قابل مبارک باد ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کو استقامت کے ساتھ ساتھ مزید افرادی اور مالی وسائل سے مالا مال فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

کام وہ لے لیجیے تم کو جو راضی کرے
ٹھیک ہو نام رضا، تم پہ کروروں درود

عزیز ملت قبلہ، حضرت علامہ محمد احمد مصباحی، حضرت علامہ مفتی نظام الدین حفظہم اللہ اور دیگر احباب ادارہ کو سلام نیاز۔

**نوٹ**:- راقم کا ایک مشورہ یہ ہے کہ اب تک تیرہ سیمیناروں میں دور جدید کے مسائل کے حوالے سے جو کچھ فقہی فیصلے ہو چکے ہیں انھیں ایک کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے۔ اس کا انگریزی اور عربی زبان میں ترجمہ کروا کر تمام اسلامی تحقیقی اداروں، بین الاقوامی جامعات، بڑی لائبریریوں، جامع ازہر، آرگنائزیشن آف اسلامی کانفرنس (او آئی سی) اور اہم اسلامی ملکوں کی حکومتوں اور علمی شخصیات کو بھیجا جائے۔ راقم آپ کو او آئی سی کی فقہی کانفرنسوں میں طے شدہ فیصلوں پر (جدید مسائل کے تناظر میں) شائع شدہ ایک کتاب (اردو ترجمہ) بھیج رہا ہے۔ آپ اس کو ملاحظ فرمالیں۔ آپ بھی پھر انھی خطوط پر اپنے تیرہ سیمیناروں کے اجماعی فقہی فیصلوں کا خلاصہ مرتب کر کے کتابی صورت میں شائع فرما کر مستحق افراد اور اداروں کو بھیجیں۔

والسلام

سید وجاہت رسول قادری،
مدیر اعلیٰ ماہنامہ معارف رضا
کراچی (پاکستان)

**یہ فکر انگیز اور معلومات افزا مکتوب ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور ستمبر ۲۰۰۶ء میں نشر ہوا**

اس مکتوب گرامی میں اس کا خاموش ذکر ہے کہ اب ماہ نامہ ان کی رہائش گاہ پر پہنچ رہا ہے، جب کہ اس سے پہلے مکتوب میں اس کا حکم دیا تھا، اس کے بعد ماہ نامہ اشرفیہ پر اپنے قلبی تاثرات کا اظہار فرمایا ہے، حالاں کہ سچائی یہ ہے کہ اس میں ہمارا کیا ہے، یہ تو اہلِ قلم پر منحصر ہے کہ ان کی تحریریں کس پایے کی ہیں، ہاں زیادہ سے زیادہ ہمارا انتخاب ہو سکتا ہے، اس کے بعد حضرت نے جامعہ اشرفیہ کی فقہی تحریک "مجلس شرعی" پر تبریکات پیش فرمائی ہیں، یہ ان کا بڑا کرم ہے جب کہ اس دور میں زیادہ تر دوسرے انداز کے لوگ بستے ہیں، اللہ تعالیٰ سب میں پیار و محبت اور ایک دوسرے کی حوصلہ افزائی کے جذبات پیدا فرمائے۔

آپ نے اس کے بعد تنظیم ابنائے اشرفیہ مبارک پور کے صحافتی سیمینار کا ذکر خیر فرمایا ہے، بلا شبہہ "اسلام اور عصر حاضر کا چیلنج، میڈیا کے حوالے سے" ایک اہم پیش رفت سامنے آئی اور جہان سنیت میں اس کی دھمک محسوس کی گئی، اہلِ علم و قلم اور دور اندیش حضرات نے مسلسل تبریکات پیش فرمائیں، انھی میں ایک، حضرت کا گراں قدر مکتوب گرامی

ہے۔اس کے بعد آپ نے فقہی سیمیناروں سے متعلق ایک دستاویز روانہ فرمائی تھی، وہ ایک اہم کتاب ہے مگر ہم اہلِ سنت وجماعت کے عام فکری رویوں سے مختلف ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت پر مسلسل کرم کی بارش فرمائے۔آپ ایک متحرک شخصیت تھے۔

## چوتھا مکتوب گرامی:

مکرمی................سلام مسنون

امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔ منور علی رضوی کی کتاب ”منکرینِ وسعت علم نبوی کا علمی وتحقیقی محاسبہ تحقیقات رضا کی روشنی میں“ اور ”مجلہ امام احمد رضا کانفرنس“ (۲۰۱۳ء/۱۴۳۵ھ، ص:۴۳) بھی اس کتاب کے ساتھ آپ کی خدمت میں پیش ہے۔

آپ سے گذارش ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ فرما کر اپنے تاثرات/تبصرے سے ہمیں نوازیں۔آپ کا یہ تحریری تبصرہ ’معارف رضا“ میں شائع کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کی طرف سے مارچ ۲۰۱۴ء کا ”معارف رضا“ جو کہ ”پیر زادہ اقبال احمد فاروقی نمبر“ ہے آپ کی نذر کیا جارہا ہے۔امید ہے آپ اپنی توجہِ خاص سے نوازیں گے۔ شکریہ۔والسلام، آپ کا مخلص

سید وجاہت رسول قادری تاباںؔ

صدر ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی

مکتوب گرامی موصول ہوا، حد درجہ مسرت ہوئی، مگر افسوس احقر ان تمام جاری کردہ کتابوں سے محروم رہا، معارفِ رضا کراچی شمارہ مارچ ۲۰۱۴ء بھی ہمیں موصول ہی نہیں ہوا۔

در اصل یہ ڈاک کی بد نظمی ہے، خاص طور پر غیر ملکی سادہ ڈاک میں پریشانی آتی ہے، اور اب تو انڈیا کی ڈاک بھی کبھی کبھی غلطی سے موصول ہوجاتی ہے، اللہ تعالیٰ ڈاک کے نظام پر خصوصی کرم فرمائے۔

### سید وجاہت رسول قادری سے ہماری ملاقاتیں:

آپ بیرون ممالک دورے فرماتے رہتے تھے، بنارس یوپی ان کا وطن مالوف ہے، اسی شہر میں ان کی پیدائش اور ابتدائی پرورش ہوئی تھی، ان کے خاندان کا گہرا روحانی اور علمی رابطہ بریلی شریف میں خانوادۂ رضویہ سے رہا ہے اور بفضلہ تعالیٰ آج بھی ہے۔انڈیا حضرت کی آمد بار بار ہوئی، جہاں تک ہمیں یاد پڑتا ہے حضرت سے ہماری چار بار بالمشافہ ملاقاتیں ہوئیں۔

پہلی ملاقات امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ العزیز کے عرس مبارک میں ہوئی، اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ حضرت سید صاحب علمی رموز کے ساتھ عالمی مناظر پر بھی نظر رکھتے تھے، آپ سے رضویات کے حوالے سے بہت سے باتیں ہوئیں۔ خاص بات جو ہمیں پوری طرح یاد ہے کہ آپ نے عرسِ رضا کے ہجومِ شوق اور علمی اور روحانی مناظر دیکھ کر فرطِ مسرت میں فرمایا، مولانا! اب ہم آئندہ آئیں گے تو سارے مناظر خاموشی سے کیمرے میں قید کرکے لے جائیں گے، بتائیے اس دور میں بھی ہمارے علما کیسی سوچ رکھتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ جہانِ سنیت کے تمام احوال سب پر ظاہر ہیں۔ ہمیں ان احوال پر روشنی ڈالنے کی بطور احتیاط قطعاً ضرورت نہیں۔

حضرت علیہ الرحمہ سے ہمیں دوسری بار شرفِ نیاز خاکِ ہند کی معروف درس گاہ دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی، بستی میں ہوا، اس عظیم الشان اجلاس میں دیر تک آپ سے ملنے اور گفتگو کرنے کا شرف حاصل کیا تھا اس عظیم الشان پروگرام میں قائدِ اہلِ سنت حضرت علامہ شاہ احمد نورانی علیہ الرحمہ، معروف قلم کار اور قائد حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ، شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ، تاج الشریعہ حضرت علامہ شاہ مفتی اختر رضا قادری ازہری علیہ الرحمہ، غازیِ ملت حضرت علامہ سید شاہ محمد ہاشمی میاں کچھوچھوی دامت برکاتہم العالیہ، شہزادۂ حضور حافظِ ملت عزیزِ ملت حضرت علامہ شاہ عبدالحفیظ سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور وغیرہ سب سے ہی ماشاء اللہ شرفِ نیاز حاصل کرنے کے مواقع حاصل ہوئے۔

تیسری بار امام احمد رضا قادری سیمینار و کانفرنس منعقدہ ۱۴/۱۵/ اپریل ۱۹۹۴ء لکھنؤ میں، اس میں ملک بھر سے قریب ۱۰۰/ علما اور دانش ور شریک ہوئے، اس میں شارحِ بخاری حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ، حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ وغیرہ موجود تھے۔ حضرت صاحب زادہ سید وجاہت رسول قادری علیہ الرحمہ نے اپنا مضمون بعنوان ”امام احمد رضا کی تحقیقات کی نئی جہات-فتاویٰ رضویہ کے حوالے سے“ پیش کیا تھا جو بہت پسند کیا گیا۔ دورانِ قیام ہم ان کی علمی اور سنجیدہ گفتگو سے خوب محظوظ ہوئے۔

چوتھی یعنی آخری بار ان کے آبائی وطن بنارس کے ایک جلسہ عید میلاد النبی ﷺ میں۔اس وقت بھی ہم نے ان سے خوب خوب استفادہ کیا۔

حضرت علامہ سید وجاہت رسول تاباںؔ قادری علیہ الرحمہ اپنے عہد کی ایک عظیم شخصیت تھے، اسّی برس سے زیادہ آپ نے عمر پائی، دینی، عصری، دعوتی اور صحافتی خدمات انجام دیں، آپ کی نمازِ جنازہ ۲۷/ جنوری ۲۰۲۰ء کو ایک بجے دعوتِ اسلامی جامع مسجد فیضان جیلانی دہلی کالونی کلفٹن میں ہوئی، اللہ تعالیٰ ان کے مرقد پر رحمت و غفران کی مسلسل بارش فرمائے، آمین۔ پس ماندگان کو صبر جمیل کی دولتِ بے بہا سے سرفراز فرمائے۔آمین۔ ☆☆☆

# مکتوبات

## فکر رضا کے حقیقی پاسبان۔ علامہ سید وجاہت رسول قادری

مکرمی!..........سلام مسنون

عہد حاضر میں اہل سنت وجماعت کی جن شخصیات نے اپنی علمی، تحقیقی، تصنیفی اور دعوتی خدمات کے ذریعے عالم اسلام پر گہرے اثرات ڈالے ان میں ایک اہم نام عالی مرتبت حضرت علامہ سید وجاہت رسول قادری سرپرست اعلی ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی (پاکستان) کا بھی ہے۔ آپ جلیل القدر عالم دین، عظیم محقق ومصنف اور اعلی درجہ کے شاعر تھے۔ عشق رسول اور محبت صحابہ واولیا سے سرشار تھے۔ آپ کی زندگی تقوی وپرہیزگاری سے مزین اور سنت رسول کی آئینہ دار تھی۔ خاندانی وجاہت کے لیے اتنا کافی ہے کہ آپ خلیفہ اعلی حضرت مولانا سید ہدایت رسول رام پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پوتے تھے۔ جدامجد کی طرح قبلہ سید صاحب بھی اعلی حضرت کے عاشق وشیدائی تھے۔ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی سے وابستہ رہتے ہوئے رضویات کے حوالے سے عظیم الشان پیمانے پر علمی وتحقیقی کام انجام دیا۔

علامہ سید وجاہت رسول قادری اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ اعلی حضرت اور مسلک حقہ اہل سنت وجماعت کے متعلق پھیلائی جانے والی غلط فہمیوں کا جواب علمی وتحقیقی انداز میں کام کرکے ہی دیا جا سکتا ہے۔ لہذا آپ نے اعلی حضرت کے اصلاحی وتجدیدی کارناموں پر انتہائی اہم اور مفید کتابیں مختلف زبانوں میں شایع کروائیں اور عالمی پیمانے پر اعلی حضرت کی نسبت سے کانفرنسوں کا انعقاد کرواکے نہ صرف برصغیر بلکہ دنیا کے تمام براعظموں میں فکر رضا کا اجالا پھیلایا۔ دین اسلام اور مسلک ومذہب کی خدمت انجام دینے والے تمام اداروں اور افراد کا آپ خلوص دل سے احترام کرتے تھے۔ علمی میدان میں کام کرنے والے ایسے بہت سے افراد واشخاص ہیں جن کی آپ نے بروقت معاونت کی اور ان کا حوصلہ بڑھایا۔ سید صاحب قبلہ کی یہی وہ نمایاں خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے آج ہر جانب ان کی عظمت وشہرت کا چرچا ہے، پوری دنیاے سنیت آپ کی مذہبی ومسلکی خدمات کی معترف ہے۔

علامہ سید وجاہت رسول قادری کو اپنے آقا ومولا صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق تھا، صحابہ کرام اور بزرگان دین کی بارگاہوں کے بھی ادب شناس تھے، دل کی اسی وارفتگی کے اظہار کے لیے آپ نے شعر وشاعری کی، شعری میدان میں آپ کا تخلص تاباں تھا۔

۳۰؍ جمادی الاولی ۱۴۴۱ھ/ ۲۶؍ جنوری ۲۰۲۰ء کو طویل علالت کے بعد ۸۴ برس کی عمر میں دار فانی سے دار بقا کی طرف کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مولاے قدیر وغفور آپ کی تمام تر دینی خدمات کو قبول فرماکر جنات النعیم میں اعلی مقام عطا فرمائے، پسماندگان، اہل خاندان اور جملہ معتقدین ومتوسلین کو صبر جمیل کی توفیق سے سرفراز فرمائے۔ صاحب زادگان کو آپ کا سچا و پکا جانشین بنائے۔ آمین بجاہ حبیبنا الکریم علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین.

**از: محمد عرفان قادری**
استاذ مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن شاہی مسجد، لکھنو (انڈیا)

## خلوص سب سے قیمتی ہوتا ہے، لباس نہیں

مکرمی!..........سلام مسنون

اوریٹری کلب سامعین سے کھچاکھچ بھرا تھا... آج کلب میں "اسلامی مساوات" کے عنوان پر ملک کے معروف سوشل ورکر نوید قمر صاحب کا خطاب تھا۔ نوید صاحب جہاں نبض شناس اسپیکر کے طور پر متعارف ہیں... وہیں سوشل ورکر کے طور پر بھی شناخت رکھتے ہیں۔

نوید صاحب کی خطابت کا جادو سرچڑھ کر بول رہا تھا، الفاظ کا انتخاب، لہجے کی چاشنی اور سلیقہ مندی سے بیان کردہ نکات پر سامعین عش عش کر اٹھے، مجمع نوید صاحب کی خطابت کا اسیر ہوچکا تھا، تقریر مکمل ہوتے ہی مصافحہ کرنے والوں کی لائن لگ گئی، نوید صاحب ہاتھ ملاتے اور داد وصولتے رہے، اچانک نوید صاحب کا ہاتھ کسی کھردری چیز سے چھو گیا، نگاہ اٹھاکر دیکھا تو سامنے حمید عقیدت واحترام سے مصافحہ کے لیے کھڑا تھا، حمید ایک مزدور تھا مگر اسے علمی محفلوں کا بڑا شوق تھا، ٹھیلہ لیے کلب سے گزر رہا تھا کہ نوید صاحب کی آمد کا معلوم ہوا، بس ٹھیلہ کنارے لگایا اور ہال میں جاکر پوری تقریر سنی، عقیدت سے ہاتھ بھی ملایا مگر پیشے کی محنت نے ہاتھوں پر نقوش چھوڑ دیے تھے، بچپن کے ساتھ ہی ہاتھوں کی نرمی بھی گزرے دنوں کی بات تھی، اب تو ٹھیلہ کھینچتے کھینچتے ہاتھ سخت پتھر کی طرح ہوچکے تھے۔ حمید نے جتنی عقیدت سے مصافحہ کیا، نوید صاحب نے اتنی ہی حقارت سے ہاتھ جھٹک دیا۔ حمید کے کپڑے بھی قدرے میلے تھے، مزید دھوپ میں ٹھیلہ کھینچنے کی وجہ سے کپڑوں پر پسینے کے نشانات صاف نظر آرہے تھے، کھردرے پن کی وجہ سے ہی نوید صاحب نے ہاتھ جھٹک دیا

تھا،اب جو حمید کا سراپا دیکھا تو غضب ناک لہجے میں بولے:

"گنوار، گنوار ہی ہوتا ہے، پہننے کا شعور، نہ نہانے کا خیال، کہیں بھی گھس جاتے ہیں اور اپنی کثافت سے ماحول تعفن زدہ کردیتے ہیں۔"

حمید رونی سی صورت لیے سوچ رہا تھا ابھی جو شخص اسلامی مساوات پر اس قدر خوب صورت گفتگو کر رہا تھا، وہ عملی طور پر کس بے دردی سے مساوات کی دھجیاں بکھیر رہا ہے، سر جھکائے محفل سے نکلا اور ٹھیلہ کھینچتے ہوئے شہر کی گلیوں میں گم ہوگیا!!

ہمارے آس پاس ایسے کتنے ہی نوید بستے ہیں جو لکھنے، بولنے کی حد تک بڑے مہذب، اخلاق مند اور پیکر مساوات نظر آتے ہیں لیکن میلے کپڑے والے کسی غریب مزدور کو دیکھتے ہوئے ان کا مفروضہ تہذیب و تمدن اور فکر مساوات صبح کاذب کی طرح غائب ہوجاتی ہے، چہرہ غضب ناک، لہجہ آتش فشاں اور آنکھیں شرارے برسانے لگتی ہیں۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل بڑا پیارا اور نہایت سادہ سا تھا، غنی ہو یا فقیر، امیر ہو یا مزدور، سب کے ساتھ یکساں سلوک فرماتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ زاہر بن حرام نامی ایک دیہاتی تھے، حضور ﷺ سے بے حد لگاؤ رکھتے تھے، خود حضور کو بھی زاہر بن حرام سے بے حد انس تھا، آپ فرماتے تھے:

إنّ زاهرًا باديتنا، ونحن حاضروه. (رواہ احمد ۱۶۱/۳)

"زاہر ہمارا بادیہ نشیں ہے اور ہم اس کے شہری دوست ہیں"

زاہر جب بھی مدینہ آتے تو حضور کے لیے پنیر، گھی وغیرہ لے کر آتے، واپسی میں حضور بھی انہیں تحائف دے کر رخصت فرمایا کرتے، ایک مرتبہ وہ حاضر ہوئے تو سرکار گھر پر نہ ملے، وہ سامان بیچنے بازار چلے گئے، حضور کو جب زاہر کی خبر ملی تو آپ تلاشتے ہوئے بازار پہنچ گئے، ایک جگہ زاہر نظر آئے، دھوپ کی شدت سے کپڑے پسینے سے شرابور اور جسم گرد آلود تھا، حضور پیچھے سے آئے اور خوش طبعی فرماتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے زاہر کی آنکھیں بند کردیں۔

زاہر نے پوچھا کون ہے؟ مگر حضور خاموش رہے، زاہر نے پھر پوچھا مگر حضور بدستور خاموش رہے حتی کہ زاہر نے کنکھیوں سے آپ کو پہچان لیا، بس فرط محبت میں آپ کے ہاتھوں کی گرفت میں مچلنے لگے، حضور نے از راہِ مزاح فرمایا: من يشتري العبد؟ "یہ غلام کون خریدے گا؟" یہ سن کر زاہر بن حرام عرض کرتے ہیں حضور! تب تو آپ کو بہت کم قیمت ملے گی کیوں کہ میں بڑا معمولی غلام ہوں، بازار میں کوئی میری اچھی قیمت نہیں دے گا!! جواباً سرکار نے ارشاد فرمایا:

لكن عند الله لست بكاسد. أو قال: لكن عند الله أنت غال. (زاہر اللہ کے نزدیک تم کم قیمت نہیں ہو.... اللہ کے نزدیک تم بڑی قیمت والے ہو۔)

حضور نبی اکرم ﷺ کا طرز عمل دیکھیں کہ زاہر کو تلاشنے بازار تک جاتے ہیں، پسینے سے شرابور، گرد و غبار سے آلود شخص سے اسی خوش مزاجی اور اپنائیت سے ملتے ہیں جیسا روسائے عرب سے ملتے، سرکار مدینہ کے یہی وہ اخلاق تھے کہ غربا و مساکین آپ کی طرف بے اختیار کھنچے آتے تھے۔

آج لوگ لباس اور دنیوی رتبہ دیکھ کر بات کرتے ہیں، اچھے مکان، بڑی گاڑیوں سے انسان کا درجہ طے کیا جاتا ہے، لیکن اچھے کپڑوں سے انسان قیمتی نہیں ہوتا، خلوص ہی انسان کو قیمتی بناتا ہے، اس لیے کسی انسان کو اس کے کپڑوں سے نہیں اس کے خلوص و محبت سے جانچیں تاکہ معاشرے سے اونچ نیچ کا فرق مٹے، مساوات عام ہو، مسلمان، مسلمان حقیقی بھائی نظر آئیں۔

**از: غلام مصطفیٰ نعیمی**
مدیر اعلیٰ سواد اعظم دہلی۔ gmnaimi@gmail.com

## دہلی فسادات

مکرمی۔۔۔۔ سلام مسنون

۲۴ فروری دن کے تقریباً دس بج رہے تھے۔ احمد آباد کے موٹیرا سردار پٹیل اسٹیڈیم میں دو ملک (India & America) کے وزیر اعظم کی ایک سے ڈیڑھ لاکھ ناظرین کے سامنے "نمستے پروگرام" میں ملاقات ہونے والی تھی۔ مسٹر مودی آج صبح کے دس بجے ہی بنفس نفیس پھولوں کا گلدستہ لیے خوش آمدید کہنے امریکی صدر ڈونالڈ ٹرمپ کو Receive کرنے احمد آباد ہوائی اڈہ پہنچ چکے تھے۔ مسٹر مودی کا ٹرمپ کے ساتھ لنچ کرنے، اسے محبت کی عظیم نشانی "تاج محل" کی سیر کرانے اور گاندھی جی کی سمادھی کے لیے راج گھاٹ لے جانے وغیرہ کے سارے اوقات پہلے ہی سے متعیّن تھے۔ ٹرمپ کے ساتھ ان کی اہلیہ میلانیہ ٹرمپ اور دوسرے درجن بھر لوگ بھی آئے تھے۔ اپنی ناکامی پر پردہ ڈالنے کے لیے مودی نے پہلے ہی گجرات کی شاہراہوں کے اردگرد اچھی خاصی لمبی اور اونچی دیوار بھی کھڑی کردی تھی تاکہ ٹرمپ کے سامنے اسے شرمندگی کا احساس نہ ہو۔ اسٹیڈیم تالیوں کی گڑگڑاہٹ سے مسلسل گونج رہا تھا۔ شعبدہ بازی کا دور دورہ تھا۔ آج دو ملک کے وزیر اعظم لاکھوں ہندوستانیوں کے سامنے آپسی محبت کا ڈھونگ رچ کر الفاظ کی بازیگری سے برابر انڈیا اور امریکہ کے گہرے تعلقات سے انہیں لبھانے کا کام کر رہے تھے اور عوام تالیاں بجا بجا کر انہیں فرحت و مسرت سے ہم کنار کر رہے تھے۔۔۔۔

ہاں! مگر تصویر کا یہ دوسرا رخ بھی تو دیکھیے کہ اسی خوشی کے عالم میں خود وطن عزیز کی راجدھانی "دہلی" "سلگ رہی تھی۔ بھڑکتی آگ نے اپنی لپیٹ میں نہ جانے کتنے گھروں اور دکانوں کو دبوچ لیا تھا۔ گلی گلی سے سیاہ دھواں کا تیز طوفان آسمان کی طرف اٹھ رہا تھا۔ صبح تڑکے ہی سے حالات انتہائی کشیدہ تھے۔ اقلیتی فرقوں پر بھاری فکر و غم کا قبضہ تھا۔ ناامیدی اور مجبوری کی گواہی ان کے جسم کے

تقریباتمام اعضادے رہے تھے۔ مسلمان گھروں میں بند ہو چکے تھے۔کچھ مسلم نوجوان اپنی ماؤں اور بہنوں کی حفاظت کے لئے گھروں کے باہر گلی محلے میں خوف کے سائے تلے کھڑے تھے۔سیاہ قانون کے بر خلاف احتجاجی دھرنوں میں شرکت کرنے والی کئی ایک خواتین لہولہان ہو چکی تھیں۔دہلی کے جعفرآباد، موج پور، بھجن پورہ، بابر پور، گوکل پوری اور چاند باغ جیسے کئی ایک علاقے فساد کی مکمل زد میں تھے۔چیخ و پکار، آہ وفغاں، شور وغل اور مسلسل گولی، آنسو گیس اور پتھروں کی آوازوں نے ایک عجیب سی ڈراؤنی کیفیت پیدا کر دی تھی۔آج دہلی اپنی اسی پرانی روش پر آچکی تھی، جب سن ۱۹۸۴ء میں یہاں کے نیلگوں آسمان نے سسکتی رات اور غمگین صبح کی بھیانک تصویر دیکھی تھی۔جی ہاں! آج یہاں کوئی بھی ایسا مسلمان نہ تھا جو محض بے آنسوؤں کی سوکھی سوکھی سسکیاں بھر رہا ہو۔بلکہ ہر ایک کی آنکھوں سے نہ تھمنے والا سیلاب جاری تھا۔شرپسندوں و بھگواداریوں کی آنکھیں مذہبی منافرت کی آگ سے ایسی دہک اٹھی تھیں کہ بڑی بے رحمی سے کئی متعدّد اشیا کو انھوں نے پھونک دیا تھا۔یہاں مسلم گھروں میں موٹے موٹے توانا پتھروں اور گولیوں کے موسلا دھار بارش اور بجلی کی تیز دوڑتی روشنی کے بجائے آسمان سے باتیں کرتی آگ کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔اکثر شاہراہوں پر پولیس اور سیکورٹی فورسز نے مکمل طور پر ناکہ بندیاں کر دی تھیں۔کسی بھی میڈیا اور راہگیر کو آبادی میں قدم رکھنے نہیں دیا جا رہا تھا۔اس بیچ بھگوادھاری اور آر ایس ایس کے کارکنان "کپل مشرا" کی نفرت انگیز بیان سے کمک حاصل کر کے دہلی پولیس کے ساتھ اودھم مچانے میں مصروف تھے۔اب تک اس خوفناک سائے میں نہ جانے کتنی موتیں ہوئیں اور کتنے زخمی ہوئے؟۔ایک اندازے کے مطابق اب تک ۵۲ سے زائد افراد اپنی جانیں گوا چکے ہیں۔اس وقت تک کچھ باتیں ہیں جو ملک بھر میں آگ کی طرح پھیل چکی تھیں۔جیسے: مظاہرین کی جھڑپ کے بیچ ایک پولیس کانسٹیبل رتن لال نامی شخص کی فائرنگ کی زد میں آنے سے موت ہو چکی ہے اور ایک لاچار فرقان نامی مسلم نوجوان، جو اپنے اہل و عیال کے لیے چوک پر کھانا خریدنے کے لیے گیا تھا... جام شہادت نوش کر لیا ہے۔اب تک دہلی کی سرزمین سرخ ہو چکی تھی... فرقان کے بڑے بھائی نے میڈیا کے سامنے اپنی داستان غم رکھی اور بھرائی ہوئی آواز میں بمشکل اتنا بول سکا کہ "آج میری دنیا اجڑ گئی، میرے پاس کچھ نہیں بچا"۔قریب تھا کہ وہ مارے غشی کے زمین پر گر پڑے... مگر... پیچھے کھڑے لوگوں نے انھیں سنبھال لیا۔اسی شہر میں ایک کار چالک کو بھی نام بتانے پر اس کی گاڑی اور اسے بری طرح کے نقصانات کا سامنا کرنا پڑا۔اسی طرح کئی ایک اور افراد کو بھی مسلم شبیہ میں دیکھ کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔یہ شرپسند افراد میڈیا والوں پر بھی مسلم گھروں میں پتھر پھینکنے یا پھر وہاں سے چلے جانے کا فرمان جاری کر رہے تھے۔پولیس دستہ قدم قدم پر ان کے ساتھ مل کر ان کی حوصلہ افزائی کرنے میں مصروف تھا۔نہ جانے اب تک کتنوں کا نشیمن پھونک دیا گیا تھا۔

ہاں! رات کے اس سنّاٹے میں عام آدمی پارٹی کے لیڈر امانت اللہ خان دہلی کے L G کے پاس بھی گئے تھے کہ وہ دلی کو جلنے سے بچالیں۔پر ان کی وہاں ایک بات بھی نہیں سنی گئی اور L G صاحب مزے کی نیند لیتے رہے۔رات بھر شدت پسندوں کی طرف سے ہاہاکار ہوتا رہا۔ایمبولینس والے برابر بچے، بوڑھے، نوجوان اور زخمی ماؤں اور بہنوں کو اٹھا کر ہسپتال لے جانے میں مصروف تھے۔ہاں! پیٹرول پمپ کو پھونکنے کے ساتھ ساتھ ان شدت پسندوں نے بھجن پورہ میں امن وآشتی کی نشانی سید چاند بابا کے مزار میں بھی آگ لگا دی تھی اور اس کے سبب مزار کا ایک بزرگ خادم نے آگ کی چپیٹ میں آکر اپنی جان تک گنوا دی، آج دہلی، جمنا پار کے علاقے کی سرزمین مسلسل بے گناہوں کے لہو سے سرخ ہوتی چلی جا رہی تھی۔پر دہلی کے وزیر اعلی اروند کیجریوال جسے جمہوریت پسند افراد نے کچھ ہی دنوں قبل اس امید پر فتح دلائی تھی کہ وہ مظلوموں کی فریادرسی کریں گے... حقیقی دنیا میں قدم رکھنے کے بجائے بس اپنی Tweet کے ذریعہ ہی لوگوں سے امن کی اپیل کر رہے تھے۔

یہ شرپسند عناصر جے شری رام کے نعروں میں گم ہو کر کئی ایک مسلم دکانیں نذر آتش کر چکے تھے اور اب تک برابر کرتے چلے جا رہے تھے... ارے ہاں! یہ بھیانک تصویر تو دیکھیے ان لوگوں نے خانہ خدا کو خاص نشانہ بنایا تھا۔ایک مسجد میں تو اس طرح توڑ پھوڑ کی کہ قرآن کے اوراق وائرل ویڈیو میں زمین پر بکھرے نظر آئے... مسجد کے میناروں پر چڑھ کر یہ زبردستی بھگوا جھنڈا لہرا رہے تھے۔ایک جگہ پولیس کا یہ گھناؤنا چہرہ بھی کھل کر سامنے آیا کہ کچھ خاکی وردی والے روڈ کنارے درد و زخم سے چور پڑے چند مظلوموں سے زبردستی جے شری رام اور وندے ماترم پڑھنے کی بڑے ترش لہجہ میں پھٹکار لگا رہے تھے۔یہ منظر سچ میں گجرات ماڈل کی درست ترجمانی کر رہا تھا۔گجرات فساد کی بھیانک تصویر اب تک ہر انصاف پرور افراد کے ذہن و دماغ میں تازہ ہو چکی تھی۔سوشل میڈیا کے ناظرین اسے مودی کی زبردست اندازے پر دوسرا گجرات بنانے کی داؤ سے تعبیر کر رہے تھے۔ ہر طرف سے رونے بلکنے اور چیخنے چلانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔کتنوں کا سہاگ اجڑ چکا تھا اور نہ جانے کتنوں کی زندگی کا سہارا خود ان کی آنکھوں کے سامنے شرپسندوں نے لوٹ لیا تھا۔مگر افسوس!!! کہ اس وقت جہاں سیاست کے اعلی کمال سنبھالنے والے ٹرمپ خاندان کی آؤ بھگت میں مصروف تھے وہیں مین اسٹریم میڈیا دہلی فساد کو بین الاقوامی کوریج دینے کے بجائے بس مودی و ٹرمپ کی نشست و برخواست کو ہی اجاگر کر رہے تھے۔ہائے! اب تو وہ دلی جس کا زمانے بھر میں نام تھا... وہ جل چکی ہے... لٹ چکی ہے... لہو سے اس کا سینہ سرخ ہو رہا ہے۔

**از: وزیر احمد مصباحی (بانکا)**
شعبۂ تحقیق: جامعہ اشرفیہ مبارک پور

# خیروخبر

## جشنِ تہنیت

محقق مسائل جدیدہ "سراج الفقہا" حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی برکاتی صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور کو امسال عرس عزیزی کے موقع پر حافظ ملت ایوارڈ تفویض کیے جانے کی خوشی میں جامع مسجد بلوریا، پورہ صوفی میں ایک جلسۂ تہنیت کا انعقاد کیا گیا جس میں حضرت علامہ عبد المبین نعمانی نے اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مفتی اعظم ہند کے بعد ان کی نیابت حضرت شارح بخاری نے کی اور ان کے بعد حضرت سراج الفقہا مفتی محمد نظام الدین رضوی ان کے قائم مقام ہیں۔ اگرچہ عمر میں ان سے بڑا ہوں لیکن فقہی مسائل میں مفتی موصوف کی ہی جانب رجوع کرتا ہوں۔ مفتی معراج القادری نے کہا کہ سراج الفقہا وقت کے فقیہ اور بہترین مفتی ہیں حضرت شارح بخاری کو جتنا اعتماد سراج الفقہا پر کرتے دیکھا اتنا اعتماد کسی اور پر نہیں کرتے دیکھا، میں نے بارہا دیکھا کہ جب کوئی مشکل اور پیچیدہ مسئلہ پیش آتا تو شارح بخاری اس کے جواب کے لیے سراج الفقہا کو طلب کرتے اور آپ جو جواب لکھتے شارح بخاری اس پر اعتماد فرماتے اور الجواب صحیح لکھ کر اس کی تصدیق فرماتے۔ مولانا مسعود احمد برکاتی نے کہا کہ مفتی نظام الدین کا اعزاز در حقیقت حافظ ملت، جامعہ اشرفیہ، اور اہل مبارک پور کا مشترکہ اعزاز ہے۔ آپ جہاں بر صغیر ہندو پاک میں سب سے عظیم مفتی، عالم ربانی اور ماہر مدرس ہیں وہیں آپ ایک اچھے انسان بھی ہیں، مولانا صدر الوریٰ مصباحی نے کہا کہ سراج الفقہا کی ذات محتاج تعارف نہیں۔ آپ بہترین مدرس، باکمال مصنف اور تحقیقی فکر کے حامل فقیہ ہیں۔ اخیر میں حضرت سراج الفقہا کو اہل مبارک پور اور مصلیان بلوریا جامع مسجد پورہ صوفی کی طرف سے عمامہ، شال اور شیلڈ موسوم بہ حافظ ملت ایوارڈ پیش کیا گیا پھر مفتی صاحب نے تمام لوگوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ علم فقہ سے جو وابستہ ہو جاتا ہے یہ علم اسے لوگوں کی نگاہ میں معزز بنا دیتا ہے۔ آج میں جو کچھ ہوں اسی علم فقہ کی بدولت ہوں۔

مولانا سلمان فریدی مسقط عمان اور مولانا قاسم مصباحی نے منظوم تاثر اور مولانا کمال اختر و مفتی محمود علی مشاہدی نے تحریری تاثر پیش کیا سپاس نامہ مولانا اعظم مصباحی نے پڑھ کر سنایا۔

پروگرام کا آغاز قاری محمد شمیم کی تلاوت سے ہوا۔ صدارت نبیرۂ حضور حافظِ ملت مولانا نعیم الدین عزیزی استاذ جامعہ اشرفیہ نے کی، پروگرام کا اختتام صلاۃ و سلام اور دعا پر ہوا۔

اس موقع پر مولانا نفیس احمد مصباحی، مفتی نسیم احمد مصباحی، مفتی زاہد علی سلامی، مولانا اختر حسین فیضی، مولانا توفیق احسن برکاتی، مولانا ازہر الاسلام ازہری، مولانا قاری ابوذر مصباحی، مولانا قاری عبد الرحمٰن مصباحی اساتذۂ جامعہ اشرفیہ، مولانا نعیم اختر اعجازی، مولانا محمد محبوب عزیزی، مولانا شریف احمد مصباحی، حاجی سلیمان اختر شمسی، عمار ادیبی، حاجی مختار علیگ، حاجی محمود اختر نعمانی، حاجی اسرار الحسن، جامع مسجد کے متولی ضمیر احمد، حاجی نور الحق، محمد اسلم، محمد اکرم، حاجی پرویز اختر نعمانی، مولانا فضل الرحمٰن برکاتی اور مولانا عصام الدین برکاتی وغیرہ خاص طور سے موجود تھے۔

**از: رحمت اللہ مصباحی**

## جشن تفسیرِ قرآن کریم

اللہ پاک کی نازل کردہ کتاب کو اگر ہم دستور حیات بنالیں تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں جھکا نہیں سکتی ۱۰ر فروری بروز پیر مرکزِ سنی دعوت اسلامی اسماعیل حبیب مسجد ممبئی ۳ میں جشن ختم تفسیر قرآن کا انعقاد ہوا۔ جس میں مقرر خصوصی مفکر اسلام علامہ قمر الزماں خاں اعظمی (لندن) نے عظمت قرآن کے حوالے سے تقریباً نصف گھنٹے تک نہایت بصیرت افروز خطاب فرمایا۔ آپ نے کہا کہ "ہماری تباہی و بربادی کا بنیادی سبب قرآن سے دوری ہے۔ جب تک ہم نے قرآن کا دامن مضبوطی سے تھام رکھا تھا ہم کامیاب تھے، یاد رکھو! صرف قرآن ہی وہ نسخہ کیمیا ہے جو ہمیں بچا سکتا ہے اور یہی ہمیں غالب کر سکتا ہے۔ اگر ہم آج بھی اللہ کی بارگاہ میں جھک جائیں اور اس کی

نازل کردہ کتاب کو دستور حیات بنالیں تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں جھکانہیں سکتی''۔ مفکر اسلام نے مزید فرمایا''قرآن ماضی ،حال اور مستقبل تمام زمانوں کے لیے کافی ہے۔ انسان جب کوئی قانون بناتا ہے تو اس کے سامنے صرف حال ہوتا ہے لیکن قرآن اُس ذات پاک کا نازل کردہ قانون ہے جس کی نگاہ قدرت میں ہر عصر ہر زمانہ ہمیشہ موجود ہے۔قرآن جس طرح چودہ سو سال پہلے فصاحت وبلاغت کی انتہا پر تھا آج بھی اسی طرح اس کی فصاحت وبلاغت موجود ہے۔

مفسر قرآن حضرت علامہ ظہیر الدین خان صاحب رضوی مصباحی نے کلام پاک کی آخری سورت کی تفسیر بیان فرمائی۔ہندوستانی علمامیں آپ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ آپ نے دوبار مکمل قرآن کریم کی تفسیر سنانے کی سعادت حاصل کی۔ پہلی بار ۲۳ سالوں کے عرصے میں تفسیر بیان فرمائی اور دوسرا دور تقریباً پچیس سالوں میں مکمل فرمایا۔اس پر مسرت موقع پر عوام وخواص کی اتنی بڑی تعداد موجود تھی کہ اسماعیل حبیب مسجد اپنی وسعتوں کے باوجود تنگ پڑگئی۔ مفسر قرآن نے فرمایا''یہ جشن ساری انسانیت کا جشن ہے کیوں کہ یہ قرآن''ھدی للناس'' بھی ہے ''ھدی للمتقین'' بھی ہے۔یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ اللہ کی کتاب جس طرح چودہ سو سال پہلے اتری تھی آج بھی ویسی ہی موجود ہے۔اس کے علاوہ کوئی آسمانی کتاب اپنی اصلی صورت میں باقی نہیں۔یہ کتاب نبی کے دل پر اتری جس میں اشارہ ہے کہ یہ دل میں بسانے کی چیز ہے،طاقوں میں سجانے کی چیز نہیں ہے۔آپ نے سامعین کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایاکہ یہ دنیا دار الابتلا،دارالمحن اور دارالامتحان ہے،امتحان میں آرام نہیں ہوتا،آرام تو جنت میں حاصل ہوگا۔اس موقع پر آپ نے سورۃ الناس کی نہایت دل پذیر تفسیر سامعین کے سامنے پیش فرمائی۔اس جشن ختم تفسیر قرآن میں جامعہ غوثیہ نجم العلوم،جامعہ حرا،مہاپولی دارالعلوم انوار مدینہ ملاڈ مدارس سنی دعوت اسلامی کے اساتذہ وطلبہ کے علاوہ ممبئ عظمی کی قدیم دینی دانش گاہ سنی دارالعلوم محمدیہ،ممبئ کے اساتذہ اور ممبئ ومضافات کے کثیر علماوائمہ مساجد نے شرکت فرمائی۔ بطور خاص شہزادہ حضور اشرف العلماحضرت سید خالد اشرف الاشرفی، حضرت سید نظام اشرف الاشرفی،مولاناحافظ سید اطہر علی ناظم اعلیٰ دارالعلوم محمدیہ ،حضرت سید مظہر بابو (چینئی) مولانا مجیب الرحمٰن قادری،مولانا جان محمد برکاتی، مولانا ریاض احمد اشرفی، مولانا رفیع الدین اشرفی (پربھنی) مولانا عبدالرشید (پربھنی) قاری محمد مشتاق تیغی شریک تھے۔علاوہ ازیں شہر کی معزز سیاسی وسماجی شخصیات بھی اس پروگرام میں موجود تھیں۔الحاج قاری محمد رضوان خاں پرنسپل ہاشمیہ ہائی اسکول نے پورے پروگرام کی نظامت فرمائی۔اس پر مسرت موقع پر مولانا محمد شاکر نوری امیر سنی دعوت اسلامی واراکین تحریک کی جانب سے حضور مفسر قرآن کی بارگاہ میں ''سیدالمفسرین عبداللہ ابن عباس''ایوارڈ اور سپاس نامہ پیش کیا گیا۔ حضرت مفسر قرآن کے خطبات کا ایک مجموعہ ''ایمان کی شاخیں ''کا اجرابھی عمل میں آیا۔علماوائمہ مساجد کو یہ کتاب تقسیم بھی کی گئی۔اخیر میں مخصوص علماومشائخ کی گل پوشی کی گئی،صلوۃ وسلام اورامیر سنی دعوت اسلامی کی دعا پر اس جشن کا اختتام ہوا۔

از: **محمد مظہر حسین علیمی**۔

mazharaleemi@gmail.com

## مدرسہ اسلامیہ انوار العلوم دلسنگھ سرائے میں

# عرس ملک العلما

۱۴ر فروری بروز جمعہ مدرسہ اسلامیہ انوار العلوم مدرسہ چوک سردار گنج دلسنگھ سرائے سمستی پور میں اعلیٰ حضرت کے شاگرد وخلیفہ حضور ملک العلما حضرت علامہ سید ظفر الدین قدس سرہ کے عرس مبارک کا آغاز تلاوت قرآن پاک سے ہوا، مولانا ضیاء المصطفیٰ مدنی مظفر پوری نے نقابت کے فرائض انجام دیے۔ شاعر اسلام حضرت زین العابدین بریلی، اکمل ویشالوی، مداحان رسول اظہر کلیم وآصف رضا سمستی پور اور مدرسہ ہذا کے طلبا نے حمد و نعت اور منقبت کے اشعار پیش کیے۔ اس کے بعد حضرت مفتی آل مصطفیٰ مرکزی مظفرپوری صدرالمدرسین مدرسہ اسلامیہ انوار العلوم نے اپنی خطابت میں کہا کہ حضور ملک العلما عالم اسلام کی اس عبقری شخصیت کا نام ہے جن کے زبان وقلم کا ایک زمانہ معترف ہے پچاس سے زائد علوم وفنون پر آپ کو مہارت تامہ حاصل تھی صحیح البہاری علم حدیث میں آپ کی وہ معتبر تالیف ہے جس کا جامع از ہر مصر کے صدر شعبہ حدیث نے کھلے دل سے اعتراف کیا،اس تقریب میں اساتذہ وطلبہ کے علاوہ شہر کے معززین ڈی ایس پی نثار احمد ، ممتاز عالم بینک آف بڑودہ،داروغہ انظار احمد،حاجی ادریس، سکریٹری محمد آصف محمد حسنین ،سکندر ،امجد ،خزانچی محمد شمیم ،مہتاب عالم ،اشفاق احمد ،آزاد احمد،تنویر عالم،شمیم انور ،جمیل احمد ،عبدالرازق ،محمد پرویز عالم ،محمد ارشد نے بھی شرکت کی صلاۃ وسلام اور حافظ کلیم الدین رضوی کی دعا پر مجلس اختتام پذیر ہوئی۔

از: **آل مصطفیٰ مرکزی**،

markazialemustafa@gmail.com

☆☆☆☆